بیادگار: مخدوم العالم قطب بنگال گنج نبات شیخ عمر علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ

July - September 2020

سہ ماہی

پیغامِ مصطفیٰ

اتردیناجپور

- گاؤں کے بدلتے اقدار: چند تلخ حقائق
- صاف پانی اکیسویں صدی کا اہم مسئلہ
- خودکشی کے بڑھتے رجحانات
- شیخ جلال الدین تبریزی اور اتر بنگال میں اشاعت اسلام
- بلبل بنگال مولانا الیاس اشرفی رحمۃ اللہ علیہ۔ حیات وخدمات

مدیر اعلیٰ

محمد ساجد رضا مصباحی

بیادگار: مخدوم العالم قطب بنگال، گنج نبات شیخ عمر علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ

بفیض روحانی: تارک السلطنت سیدنا حضور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

بفیض روحانی: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

زیر سرپرستی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الغفور صاحب

جلد ۲

شمارہ ۸

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ

اتر دیناجپور

جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۲۰ء

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

تنظیم عاشقان مصطفیٰ

شاہ پور بازار تھانہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال ۷۳۳۲۱۰

E-mail:
paighamemustafa2018@gmail.com
Mob.:7405410736, 9734927165
9473927746

• قیمت عام شمارہ: ۔۔۔ ۳۰ • سالانہ ۔۔۔ ۱۲۰

زیر اہتمام

مولانا محمد عسجد رضا قادری

بانی تنظیم عاشقان مصطفیٰ، شاہ پور بازار، علاقہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال

ناشر

تنظیم عاشقان مصطفیٰ

شاہ پور بازار، علاقہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال

مشمولات

کوڈ- ۱۹ کی تباہیوں کے سبب نظام زندگی مفلوج ہے، تقریباً چار مہینے سے معمولاتِ شب و روز درہم برہم ہیں، پوری دنیا اور زندگی کے تمام شعبے اس وبا سے متاثر ہیں، منبر و محراب سے صدائے حق لگانے پر پابندی ہے، شاہراہیں بھی سونی ہیں، مساجد کی رونقیں کئی مہینے گزرنے کے بعد بھی بحال نہیں ہو سکی ہیں، مدارس اسلامیہ تعطل کے شکار ہیں، نیا تعلیمی سال بھی شروع نہیں ہو سکا ہے، حال اور مستقبل دونوں تاریک ہیں، ہر سال بے پناہ مسرتوں کا پیغام لے کر آنے والا رمضان کا مقدس مہینہ بھی بڑے کرب و اضطراب میں گزرا، حکومتی گائڈلائن کی وجہ سے تراویح اور دیگر نمازوں کا اہتمام اس شان و شوکت اور جوش و ولولے کے ساتھ نہیں ہو سکا جس طرح ہر سال ہوا کرتا تھا، عید الفطر کا تہوار بھی دل پر پتھر رکھ کر منایا گیا۔ چند مہینوں کے اندر دنیا اس قدر بدل جائے گی، حالات اس قدر غیر یقینی ہو جائیں گے، انسانی زندگی میں اس طرح انقلاب برپا ہو جائے گا، جینے کے طریقے اس طرح بدل جائیں گے، لوگوں کے فکر و نظر کا زاویہ اس طرح تبدیل ہو جائے گا، شاید کسی کے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا۔ دراصل یہ قدرت کے مظاہر ہیں، جو ہمیں انسان کی بے بسی اور قادر مطلق کی لازوال اور بے مثال قدرت کا نمونہ دکھاتے ہیں، اور اس بات سے باخبر کرتے ہیں کہ انسان چاہے جس قدر ترقی کر لے، تسخیر کائنات کے جتنے بھی دعوے کر لے، ہواؤں کی دوش پر جتنا چاہے پرواز کر لے، قدرت کی ایک ادنیٰ سی مار جھیلنے کی اس کے اندر سکت نہیں ہے، قدرت کی بے آواز لاٹھی کا ایک ہلکا سا ضرب بھی انہیں تہ و بالا کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہ حالات اہل دانش کے لیے غور و فکر کا موضوع اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

آج ہم لاک ڈاؤن کے کے کچھ محسوسات اور اپنے سماج و معاشرے کے گہرے مطالعہ کے چند نکات آپ تک پہنچانے کی کوشش کریں گے، جس میں نہ تو کوئی ملمع سازی ہے اور نہ الفاظ و بیان کی جادوگری، بس گرد و پیش کے حالات کا ایک نامکمل جائزہ ہے، جو شاید ہمیں بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کرتا ہے۔

کرونا وائرس کے بڑھتے خطرات کے پیش نظر مرکزی حکومت کی جانب سے پورے ملک میں ۲۵/ مارچ ۲۰۲۰ء سے لاک ڈاؤن نافذ کیا گیا، جو بدلتی شکلوں کے ساتھ اب بھی نافذ ہے، لاک ڈاؤن کی گائڈلائن کے مطابق بے وجہ باہر نکلنے کی سخت ممانعت تھی، اکثر لوگوں نے اپنے گھر اور محلوں میں ہی لاک ڈاؤن کے ایام گزارے، ہم نے بھی لاک ڈاؤن کے ڈھائی مہینے اپنے آبائی وطن میں گزارنے کی سعادت حاصل کی، ایک طویل عرصے کے بعد مدرسے کی زندگی سے دور وطن عزیز میں اتنی طویل مدت گزارنے اور سماج و معاشرے کو گہرائی سے دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا، بڑے اہم اور عبرت آموز تجربات ہوئے اور بے انتہا حیرت بھی ہوئی کہ ادھر دو دہائی کے اندر ہمارا سماج اس قدر کیسے بدل گیا، سماج کے وہ اقدار و روایات کہاں چلے گئے، جن کو سماج کا لازمی حصہ سمجھا جاتا تھا، جن کی خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، گاؤں کی وہ سادگی کہاں چلی گئی جس کو اس کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا تھا، بڑوں کا وہ ادب و احترام کہاں چلا گیا جو اس سماج میں پلنے بڑھنے والے ہر جوان کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہوتا تھا، بڑوں کی وہ شفقتیں کہاں دفن ہو گئیں جو ہر چھوٹے پر پوری سخاوت و فیاضی کے ساتھ برستی

تھیں، گاؤں کے وہ چوپال کب فساد خانوں میں تبدیل ہو گئے جہاں ایک دوسرے کی غیبت نہیں بلکہ بڑے بزرگ چھوٹوں کو سبق آموز قصے اور کہانیاں سنایا کرتے تھے، دلوں کی وہ ہمدردیاں کہاں چلی گئیں جو دُکھ سکھ میں ایک دوسرے کا غم باٹنے اور ایک دوسرے کی مسرتیں دوبالا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی تھیں۔۔۔۔۔

ہم نے اپنے بچپن کے ایام جس سماج میں گزارے، آج اس کے تانے بانے مکمل طور بکھر چکے ہیں، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت ہمارے سماج کی ایک بڑی خوبی تھی، گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے جو کھیل میں مصروف ہوتے، جب اپنے کسی بڑے کو گزرتے دیکھتے تو بے ساختہ ایک ساتھ باآواز بلند السلام علیکم کی صدائیں بلند کرتے، سماج کے نوجوان کسی اجتماعی کام سے قبل اپنے بڑوں کی اجازت حاصل کرنا ضروری سمجھتے، خاندان کے عمر دراز افراد خاندان کے مکھیا اور سرپرست سمجھے جاتے، کسی بھی کام سے پہلے ان سے مشاورت لازم ہوتی، ان کی رضامندی کے بغیر کوئی بھی کام مشکل ہوتا، سماج کے ہر فرد کے دل میں سماجی اصول وقوانین کا خوف ہوتا، کسی بھی غیر اخلاقی کام سے پہلے انہیں سماجی دباؤ کا ضرور خیال آتا، سماج کے سربرآوردہ افراد بڑے بڑے مسائل مل بیٹھ کر حل کر لیتے، بڑی بڑی ناچاقیاں گاؤں کی میٹنگوں میں ختم کر لی جاتیں، خاندانی جھگڑے بھی یہیں نمٹا لیے جاتے، لین دین کے قضیے بھی یہیں حل کر لیے جاتے، تھانہ پولیس تک معاملہ پہنچنا پورے گاؤں کے لیے باعث عار سمجھا جاتا، اور اگر کوئی حماقت کر کے تھانہ پہنچ بھی جاتا تو تھانے سے اسے سماج میں بھیج دیا جاتا، سماج میں مسئلہ حل نہ ہو پانے کی صورت میں مقدمہ درج ہوتا، یعنی سماج حاوی تھا اور سماجی بائیکاٹ کا قانون پوری طرح موثر تھا۔

لیکن اب گاؤں کے وہ سارے اقدار وروایات قصہ پارینہ ہو چکے ہیں، صاف وشفاف دل اب کدورتوں سے بھر چکے ہیں، گاؤں کی سادگی وسادہ دلی اب عیاری اور مکاری میں بدل چکی ہے، بلکہ وہ اس معاملے اہل شہر کو کئی قدم پیچھے چھوڑ چکے ہیں، بغض وحسد یہاں مکمل عروج پر ہے، ناچاقی اور نا اتفاقی کا بول بالا ہے، بات بات پر لڑنا جھگڑنا اور خون خرابہ کرنا ان کا شیوہ بن گیا ہے، اب گاؤں میں صلح کرانے والے لوگ کم اور آگ لگانے والے زیادہ ہیں، چھوٹوں نے بڑوں کو دقیانوس اور فرسودہ خیالات کا حامل سمجھ کر ان کی باتوں پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، سماجی دباؤ کا پوری طرح خاتمہ ہو چکا ہے، اب ہر شخص اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے، حالاں کہ ان کے اندر نہ دین کا شعور ہے اور نہ دنیا سے آگاہی، سماج کے بکھرنے کا سب سے بڑا اور بُرا اثر یہ ہوا ہے کہ تھانہ، پولیس کے معاملات ومقدمات میں حد درجہ اضافہ ہوا ہے، چھوٹے چھوٹے معاملات جو گھریلو سطح پر نمٹائے جاسکتے تھے وہ اب پولیس اسٹیشن پہنچنے لگے ہیں، پولیس کے دونوں ہاتھ میں لڈو ہے، مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں سے خاصی رشوت اینٹھی جاتی ہے، اس طرح دونوں خاندان تباہی کا شکار ہوتے ہیں۔

ماحول اس قدر مکدر ہے کہ اس میں شریف لوگوں کے لیے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت مشکل ہے، اچھے اچھوں کی پگڑیاں اچھالی جارہی ہیں، عزت وآبرو سرعام نیلام ہورہی ہے، پہلے لوگ شہروں کی ناہموار فضا سے عاجز ہو کر دیہات کی خوش گوار زندگی کو یاد کیا کرتے تھے، لیکن اب دیہات کی مکدر فضا سے بچنے کے لیے شہروں کا رُخ کرنے پر مجبور ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا "کمال" یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی سے زیادہ دوسروں کی زندگی میں دل چسپی لیتے ہیں، ان سے اپنے گھر کے مسائل حل نہیں ہوتے، لیکن پڑوسی کے مسائل پر روزانہ "اظہار خیال" ضرور فرماتے ہیں، ان سے اپنے بچے نہیں سنبھلتے لیکن پڑوسی کے بچوں کی ہر حرکت پر کڑی نظر رکھتے ہیں، وہ محنت ومشقت کر کے اپنے مکان کی مرمت نہیں کرسکتے لیکن وہ پڑوسی کی عالی شان بلڈنگ کے رنگ وروغن پر ہونے والے اخراجات اور ان کے ذرائع آمد پر ضرور سر کھپاتے ہیں، بلفظ دیگر انہیں اپنے مصائب سے زیادہ دوسروں کی خوشیوں سے تکلیف ہے، گاؤں کا کوئی جوان پڑھ لکھ کر کسی اچھے عہدے پر فائز ہو جائے یا محنت ومشقت کر کے اچھا مکان بنالے تو گاؤں کے حاسدین انکم ٹیکس آفیسر اور اکاؤنٹینٹ کے فرائض انجام دینے لگتے ہیں، اور اس کے آمدات واخراجات کا ایسا حساب رکھتے ہیں کہ انکم ٹیکس کا محکمہ بھی انگشت بدنداں رہ جائے، بعض بے غیرت اس کو رسوا

کرنے کے لیے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتے ہیں، بسا اوقات توان کی جان کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں، کسی کی بچی کا عمدہ رشتہ آجائے تو حسد کے مارے کچھ سر پھرے کئی پشتوں کا شجرۂ نسب اور خامیوں کی پوٹلی لے کر لڑکے والے کے گھر پہنچ جاتے ہیں اور جب تک رشتہ ٹوٹ نہیں جاتا، چین سے نہیں بیٹھتے، کسی سے جھگڑا ہو گیا تو عورتیں فُل ساونڈ میں دن بھر پورے خاندان کو ایسی مغلظات بکتی ہیں کہ اللہ کی پناہ، بکھان شروع ہوتا ہے تو مکمل تسلسل کے ساتھ کئی پشتوں کے ''کارنامے'' پوری روانی اور مہارت کے ساتھ بیان کر جاتی ہیں۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑنے کا محاورہ گاؤں کے جھگڑوں پر پوری طرح صادق آتا ہے، ایک چھوٹی سی بات پر دو لوگوں کے درمیان جھگڑا شروع ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جھگڑا خاندان، قبیلہ اور پھر محلہ کا جھگڑا بن جاتا ہے، بے کار بیٹھے لوگ بھی اس میں شریک ہو کر اپنا ''ٹائم پاس'' کرتے ہیں، بھیڑ جمع ہوتی ہے اور پھر جلتی پر گھی ڈالنے کا کام شروع ہوتا ہے، تماش بین مکمل طور پر لطف اندوز ہوتے ہیں، بے چارے شریف اور بے قصور لوگ بھی اس میں گھسیٹ لیے جاتے ہیں، دونوں طرف کی ٹیمیں پوری چستی کے ساتھ میدان میں اتر جاتی ہیں اور پھر منظر قابل دید ہوتا ہے۔۔۔۔۔ہاں! یہ مناظر میں نے لاک ڈاؤن میں دیکھے ہیں۔

ان ساری چیزوں کو موضوع بحث بنانے مقصد یہ ہے کہ آخر گاؤں کی خوش گوار فضائیں اس مکدر کیوں ہو گئی ہیں، جہاں کی سادگی می مثالیں پیش کی جاتی تھیں، جہاں مکر و فریب کا دور دور تک گزر نہیں تھا، جہاں کا چین و سکون، جہاں کی شادابی و ہریالی اہل شہر کے لیے باعث رشک ہوتی تھی، وہ آج کیوں تکدر کا باعث بنی ہوئی ہیں، ضروری ہے کہ اس کے اسباب وعلاج پر غور کیا جائے اور اصلاح وموعظت کے ذریعہ گاؤں کی عظمت رفتہ کی بحالی کی کوشش کی جائے۔

اس تبدیلی کے متعدّد اسباب وعوامل ہو سکتے ہیں، ہم یہاں اختصار کے پیش نظر چند باتیں ذکر کرتے ہیں۔

تعلیم کا فقدان:

ایک عمدہ اور پُر امن معاشرے کی تشکیل کے لیے سماج کے افراد کا تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے، کیوں کہ جہالت ایک ایسی بیماری ہے جس کے کوکھ سے بے شمار ایسے جراثیم جنم لیتے ہیں، جو سماج و معاشرے کی تباہی و بربادی کا سبب ہوتے ہیں، مسلم طبقے میں تعلیم کی کمی ہر جگہ ہے، خواہ وہ شہری علاقہ ہو یا دیہی علاقہ، لیکن شہری علاقوں میں اس سلسلے میں پہلے کے مقابلے میں کافی بیداری آئی ہے، شہر والوں کو اس بات کا بہت حد تک احساس ہو چکا ہے کہ تعلیم کے بغیر ہمارے بچے آگے نہیں بڑھ سکتے، بلکہ سماج میں باعزت زندگی گزارنے کے لیے تعلیم حاصل کرنا انتہائی ضروری ہے، لیکن یہ شعور دیہی علاقوں میں اب بھی پروان نہیں چڑھ سکا ہے، ایک زمانے تک تو والدین اپنے بچوں کو اسکول یا مدرسہ بھیجنا ضروری ہی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ کسی طرح انہیں پال پوس کر کھیتی کے کاموں میں لگا دینے کو ہی کامیابی سمجھتے تھے، اب دیہی علاقوں میں کچھ حد تک حالات بدلے ہیں، لیکن بچوں کی تعلیم کے حوالے سے جو فکر مندی والدین اور سرپرستوں کے اندر ہونی چاہیے وہ اکثر کے یہاں مفقود ہے، بچے اسکول اور مدرسہ جاتے ہیں اور واپس آجاتے ہیں، کیا پڑھا، کیا لکھا، کیا ہوم ورک ملا، اس سے والدین کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، بچوں کی کارکردگی کا جائزہ لینا وہ اپنی ذمے داری نہیں سمجھتے، نہ ہی ان کے پاس اس کام کے لیے وقت ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دس بارہ سال تک اسکول کالج جانے کے بعد بھی جہالت نہیں جاتی اور نہ ہی پڑھے لکھے انسانوں والے اوصاف اس کے اندر پیدا ہو پاتے ہیں۔

یہ دیہات کے ان جوانوں کا حال ہے جنھوں نے خواہی نخواہی اسکول کا منھ دیکھا اور اسکول آنے جانے میں اپنی زندگی کا ایک قیمتی حصہ صرف کیا، ہمارے سماج میں ایسے جوانوں کی تعداد دس بارہ فیصد سے زیادہ نہیں ہے، باقی نوے فیصد نوجوان وہ ہیں جنہیں اسکول اور مدرسے تک جانا نصیب ہی نہیں ہوتا، وہ جہالت کے اندھیرے میں مکمل طور بھٹک رہے ہوتے ہیں، ان کی دنیا بہت چھوٹی ہوتی ہے، ان کی

سوچ بہت محدود ہوتی ہے، ان کے اندر انسانی اوصاف کم پائے جاتے ہیں، وحشی پن زیادہ ہوتا ہے، جوانوں کا یہ طبقہ خاص طور سے پورے سماج کی زندگی جہنم بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے، نہ وہ خود چین سے رہتے ہیں اور نہ دوسروں کو باعزت اور باوقار زندگی گزارنے دیتے ہیں ، ایسے ہی لوگ سماج کے لیے ناسور اور معاشرے کے پُرامن فضا کو مکدر کرنے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں ۔ جب تک تعلیم عام نہیں ہوگی اور تعلیم کا معیار بلند نہیں ہوگا، دیہات میں بسنے والے لوگوں کو ان مسائل سے نجات نہیں ملے گی ۔

بے کاری و بے روزگاری:

دیہی علاقوں میں زندگی گزارنے والوں کے ساتھ ایک بڑا مسئلہ روزگار کا ہے، یہاں روزگار کے مواقع بہت کم ہوتے ہیں ، اسی لیے بے کاری اور بے روزگاری عام ہے ، ہمارے علاقے میں خاص طور سے روزگار کے مواقع انتہائی کم ہیں ، پورے اتر دیناج پور میں کوئی بڑی فیکٹری یا کوئی بڑی منڈی نہیں ہے ، جہاں مزدوروں کی وافر مقدار میں کھپت ہو، اکثر لوگوں کا ذریعۂ معاش کھیتی باڑی ہے ، جن کے پاس کھیتی نہیں ہے وہ ان کھیتوں میں مزدوری کرتے ہیں ، سرکاری ملازمتوں میں یہاں کے لوگوں کی حصے داری ۲ر فیصد بھی نہیں ہے ، ایسے میں ان لوگوں کا بیکار بیٹھنا اور معاشی تنگی کا شکار رہنا لازمی امر ہے ، جوانوں کا ایک طبقہ ملک کے مختلف گوشوں میں محنت و مزدوری کر کے اپنے اور اپنے بال بچوں کی روزی روٹی کا انتظام کرتا ہے ، لیکن اس طبقے میں بھی مستقل مزاجی نہیں ہے ، دو تین مہینہ کہیں پر کام کر کے دس بیس ہزار کما لیا تو گھر کی یاد ستانے لگتی ہے ، اور گھر آکر جب تک پوری پونجی ختم نہیں کر لیتے دوبارہ کام پر جانے کے لیے کسی طور پر تیار نہیں ہوتے ، ظاہر ہے ایسے جوانوں کا شمار بھی بے کار لوگوں کی فہرست ہی میں ہوگا، اب ان بیکار لوگوں کی بھیڑ دیہاتوں میں اکٹھی ہوتی ہے ، جگہ جگہ ان کی نشستیں ہوتی ہیں ، ان نشستوں میں فضول باتیں ، نازیبا تبصرے ، ہنسی مذاق ، ٹھٹھا اور مسخرہ کا دور چلتا ہے ، پھر یہیں جھگڑوں کے بیج بوئے جاتے ہیں ، پودا اگتا ہے اور ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرنے کے بعد اس میں آگ لگائی جاتی ہے ، جس کی تپش پورے گاؤں اور محلے کے چین و سکون کو خاکستر کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے ۔ ظاہر ہے جن کے پاس کرنے کا کوئی کام نہیں ، ان کے دماغ میں خرافاتی پلان ہی آئیں گے ، وہ دوسروں کی مصروف اور باوقار زندگی کو دیکھ کر حسد اور بغض کا شکار ہوں گے ، وہ کام یاب لوگوں کی کام یابی کو اپنے لیے نمونۂ عمل بنا کر کام یابی کے راستے پر چلنے کی بجائے ان راستوں میں کانٹے بچھانے کی کوشش شروع کر دیں گے ، ایک تو تعلیم کی کمی اور جہالت کی فراوانی ، اس پر بُری صحبتیں ، یعنی تباہی و بربادی کے سارے سامان مہیا ہیں ، ایسے ماحول میں ان سے خیر کی کیا توقع کی جاسکتی ہے ۔

بے کاری اور بے روزگاری کے سلسلے میں سارا قصور حکومت کے سر ڈالنے کی بجائے ہمیں بھی کچھ اپنی سطح پر سوچنا چاہیے، ہم نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دیکھا ہے کہ بہت سے جوانوں نے نہایت نامساعد حالات میں چھوٹے موٹے کام شروع کیے ، پھر ان چھوٹے موٹے کاموں نے بڑے کاروبار کی شکل اختیار کر لی، آج وہ نوجوان اطمینان بخش اور خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں، ہمارے علاقے کے نوجوان چھوٹے کاروبار سے شرماتے ہیں، شروع سے وہ بڑا تاجر بننا چاہتے ہیں، چھوٹی موٹی تجارت کو وہ اپنی شان کے خلاف سمجھتے، ایسے لوگ زندگی کے کسی مرحلے میں کام یاب نہیں ہوسکتے، ہر کام کے کئی مرحلے ہوتے ہیں، جو مرحلہ وار ہی انجام کو پہنچتے ہیں، چند دنوں میں کوئی تاجر بڑا سرمایہ کار نہیں بن جاتا، اس کے لیے کئی مشقت آمیز مرحلوں سے گزرنے ہوتے ہیں ، بغیر محنت و مشقت کے ترقی کا خواب کبھی شر مندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں اپنے نوجوانوں کو بے کاری سے بچانے کے لیے بھی ذہن سازی کرنی ہوگی ، انہیں تجارت اور رزق حلال کے فوائد سے آگاہ کرنا ہوگا، نماز روزہ، حج ، زکات کی تلقین کے ساتھ انہیں ایک بہتر سماجی و معاشرتی انسان بنانے کے لیے بھی کوششیں کرنی ہوں گی ، جبھی ہم صحیح معنوں میں رہنما کہے جانے کے مستحق ہوں گے ۔

اخلاقی بحران:

اخلاقی بگاڑ آج ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو چکا ہے۔ امانت، دیانت، صدق، عدل، ایفائے عہد، فرض شناسی اور ان جیسی دیگر اعلیٰ اقدار کمزور پڑتی جارہی ہیں۔ کرپشن اور بدعنوانی ناسور کی طرح معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ ظلم و ناانصافی کا دور دورہ ہے۔ لوگ قومی درد اور اجتماعی خیر و شر کی فکر سے خالی اور اپنی ذات اور مفادات کے اسیر ہو چکے ہیں۔ یہ اور ان جیسے دیگر منفی رویے ہمارے مزاج میں داخل ہو چکے ہیں، یہ بیماری ہر شہر ہر گاؤں اور ہر خطے کے لوگوں میں پائی جاتی ہے، دیہی علاقوں میں خاص طور سے اخلاقی بحران عروج پر ہے، حق تلفی اور ظلم و جبر کا دور دورہ ہے، جس کی لاٹھی اسی کی بھینس ہے، جس خاندان میں ہٹے ہٹے کٹے کئی جوان ہیں، ان سے کوئی منھ نہیں لگا سکتا، لیکن آپ کو ان کا ہر ظلم سہنا ہے، ان کی ہر زیادتی برداشت کرنی ہے، ان کے جانور آپ کی کھیتی چر لیں تو آپ اُف بھی نہیں کہہ سکتے، ورنہ آپ کی اچھی طرح "خاطر داری" ہو سکتی ہے، گاؤں کے لوگوں کی امانت و دیانت کسی زمانے میں بہت مشہور تھی، لیکن اب آپ اس زمانے کو بھول جائیں، اب بڑی بڑی رقمیں بہت آسانی کے ساتھ ہضم کر جانے والے سور ماکثیر تعداد میں آپ کو گاؤں دیہات میں بھی مل جائیں گے، زمین دبانے اور زمین کے حدود اربعہ میں توسیع فرمانے والے مرد جری بھی دستیاب ہو جائیں گے، سچ اور جھوٹ کی ملمع سازی کے ماہرین بھی ان علاقوں میں خاصی تعداد میں مل جائیں گے۔

گاؤں دیہات میں بغض و حسد کے جراثیم دن بہ دن پھیلتے جا رہے ہیں، جس کے نتیجے میں آئے دن بڑے بڑے حادثات رونما ہو رہے ہیں، گولیاں چلتی ہیں، مرڈر ہوتا ہے، جان لیوا حملے ہوتے ہیں۔ گاؤں کا سماجی و معاشرتی ڈھانچہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ہر فرد دوسرے کے تمام ایکٹیویٹیز [Activities] سے آگاہ ہوتا ہے، یہاں خفیہ طور پر بننے والے منصوبے بھی عام لوگوں کی نگاہ سے نہیں بچ پاتے، گاؤں میں اگر کسی کے گھر معمولی سی کہاسنی ہوگئی، بھائیوں میں معمولی سی ناچاقی ہوگئی تو یہ اس دن کے لیے پورے گاؤں کا موضوع بحث بن جاتا ہے، دشمنوں کو دشمنی نکالنے اور حاسدین کو حسد نکالنے کا بھرپور موقع فراہم ہو جاتا ہے، یعنی گاؤں کی زندگی میں کسی کی پرائیویسی [Privacy] پرائیویسی نہیں رہ جاتی، کوئی کسی کی بھی ذاتی زندگی میں بہت آسانی سے جھانک لیتا ہے، آپ کے آرام و آسائش اور آپ کے آلام و مصائب کسی سے چھپ نہیں سکتے، سامان عیش و عشرت اور اسباب آرام و آسائش کو دیکھ کر حسد کا عنصر مزید بڑھ جاتا ہے، جب کہ پریشانیوں کو دیکھ کر آپ کا مذاق اڑانا، آپ کے معاندین کے لیے آسان ہو جاتا ہے، غرض کہ آپ کسی طرح ان کی مضرتوں سے محفوظ نہیں ہیں۔

در اصل یہاں تعلیم کا زبردست فقدان ہے، تربیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، لہٰذا اخلاقی سطح پر بدحال ہونا لازمی امر ہے، ان علاقوں میں کام کرنے اور ان حالات سے نجات پانے کے لیے ہمیں پہلے تعلیمی حالات درست کرنے ہوں گے، اولاد کی اسلامی تربیت کے طریقوں سے والدین کو آگاہ کرنا ہوگا، پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور سرکار دوعالم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے نمونے پیش کرنے ہوں گے، یہ سارے کام زمینی سطح پر کرنے کے ہیں، اور انقلاب برپا کرنے کے لیے برسہا برس کی ضرورت ہے، فوری طور پر ایک بگڑی ہوئی قوم کے مزاج کو بدل دینا ممکن نہیں ہے۔

خواتین میں تعلیم و تربیت کی کمی:

گاؤں کی زندگی سے چین و سکون غارت کرنے میں سماج کی بے لگام اور بے پردہ جاہل خواتین کا اہم کردار ہے، اکثر مسائل یہیں سے شروع ہوتے ہیں، رائی کو پہاڑ بنا کر اپنے گھر کے مردوں کی غیرت و حمیت کو جوش دلانے میں انہیں مہارت ہوتی ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں کو عالمی مسائل کی شکل میں پیش کر کے جھگڑوں کو ہوا دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ایسی خواتین اگر ہفتے میں ایک دو جھگڑا نہ کر لیں تو انہیں

زندگی اجیرن اور بے مقصد محسوس ہونے لگتی ہے، وہ کسی نہ کسی بہانے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان مہیا کرہی لیتی ہیں، خود جھگڑا آرگنائز نہیں کرپاتیں تو دوسروں کے جھگڑوں میں بھی شامل ہونے میں عار محسوس نہیں کرتیں، شمولیت کے لیے خاص وجہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، دور کا بھی کوئی تعلق مل جائے تو پورے آن بان شان کے ساتھ کمان سنبھال لیتی ہیں، حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ دن بھر تسلسل کے ساتھ چیخنے چلانے کے بعد بھی ذرا سی تکان محسوس نہیں کرتیں، بسا اوقات موسم ساتھ نہ دے تو دوسرے دن پھنسی ہوئی آواز کے ساتھ جھگڑے کی دوسری قسط وہیں سے شروع کرتی ہیں جہاں کل ختم کیا تھا، میں نے کئی قسط وار جھگڑے بھی دیکھے ہیں، صرف دو عورتیں جھگڑ رہی ہوں تو انہیں جھگڑا کامیاب محسوس نہیں ہوتا، لہٰذا چند منٹوں میں بڑی مہارت کے ساتھ کئی کئی خواتین کو اپنے ساتھ کرلیتی ہیں، ان جھگڑوں سے نہ صرف ایک خاندان بے چین ہوتا ہے بلکہ پورے محلے والوں کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

بہتر سماج و معاشرے کی تشکیل میں خواتین کا جو اہم کردار ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، حقیقت یہ ہے کہ عورت چاہے ماں ہو یا بہن، بیوی ہو یا بیٹی ہر روپ میں وہ قدرت کا انمول تحفہ ہے جس کے بغیر کائناتِ انسانی کی ہر شے بے رونق ہے، عورت اپنی ذات میں ایک تناور درخت کی مانند ہے جو ہر قسم کے سرد و گرم حالات کا دلیری سے مقابلہ کرتی ہے، لیکن یہ ان عورتوں کے اوصاف ہیں جنہوں نے علم کی روشنی حاصل کی، عمدہ تربیت کے زیور سے آراستہ ہوئی، اپنے علم کی روشنی میں اپنا دائرۂ کار سمجھا، زندگی گزارنے کے اسلامی طریقوں سے آشنا ہوئی، اپنے اہل خانہ کے حقوق و آداب سے واقفیت حاصل کی، لیکن افسوس یہ ہے ہمارے علاقے کی عورتوں کا ایک بڑا طبقہ تعلیم و تربیت سے دور ہے، ہمارے سماج میں کبھی بھی ان کی خاطر خواہ تعلیم کے لیے سنجیدگی نہیں دکھائی گئی، نہ ہی ان کی اسلامی تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی، بچیوں کی تھوڑی تعداد اسکول کالج جاتی بھی ہے تو اس کے اندر وہ شعور نہیں پیدا ہو پاتا جو ایک تعلیم یافتہ خاتون کے اندر ہونا چاہیے، مدارس میں اب تک ان کی تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، اب مختلف علاقوں میں ان کی تعلیم کے لیے بھی ادارے کھل رہے ہیں، ان اداروں میں اگر ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی تو حالات کسی قدر بدل سکتے ہیں ورنہ اگر یہ ادارے بھی انہیں اسکولوں یا عام مدرسوں کی طرز پر چل پڑے تو کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

گاؤں کے بدلتے اقدار و روایات کے حوالے سے میری اس گفتگو میں جو بھی حالات بیان کیے گئے ہیں وہ عام حالات ہیں، ورنہ یہاں بہت سارے افراد اور خاندان ایسے بھی ہیں جنہوں نے ان نامساعد حالات میں بھی اپنی سادگی و وضع داری، اخلاص و نیک نیتی، ہمدردی و روادی اور اپنا عظمت و وقار محفوظ رکھا ہے، اور آج بھی ان کے یہاں وہی پرانی روش اور روایتیں باقی ہیں جو کبھی دیہات کے عام لوگوں کی شان سمجھی جاتی تھیں۔

میں اپنی بات ”دی کاؤنسل فار پروٹیکشن آف رورل انگلینڈ“ کی اس رپورٹ پر ختم کرتا ہوں کہ:

”گاؤں کا کردار چھن جانا بہت بڑا المیہ ہے کیوں کہ یہی کردار شناخت تھا اور یہی شناخت سرمایہ تھی۔ یہ سماج کا ایسا نقصان ہے جس کی سنگینی کو ناپا تولا نہیں جاسکتا، دیہی عوام کو شہروں سے اُنسیت تھی جو کوئی گناہ نہیں تھا، وہاں روزگار کے مواقع دیکھے تھے، یہ بھی کوئی جرم نہیں تھا، وہاں کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں کشش محسوس کی تھی اور یہ بھی کوئی نقص نہیں تھا۔ خطا صرف یہ ہوئی کہ دیہی عوام نے گاؤں، اس کے کلچر اور کردار کو محفوظ نہیں رکھا جو اُن کی ذمہ داری تھی۔“ [رونامہ انقلاب، فیچرس، ۱۲/ مئی ۲۰۱۹ء]

•••

خدانے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

مولانا محمد شارب ضیا رضوی مصباحی: رکن آئینہ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور، بنگال

قرآن حکیم میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝۱۱ [سورۃ الرعد، آیت:۱۱]

ترجمہ: بیشک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے تو وہ پھر نہیں سکتی اور اس کے سوا ان کا کوئی حمایتی نہیں۔ [کنز الایمان]

مخصوص کلمات کی وضاحت:

مَا بِقَوْمٍ ۔ کے "ما" سے مراد نعمت و عافیت ہے۔ تفسیر آلوسی میں ہے: مَا بِقَوْمٍ: من النعمة والعافية [ج:۹، ص:۲۱۹]

مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ میں "ما" سے مراد جمیل و جلیل احوال و کوائف ہیں۔ تفسیر سراج منیر میں ہے: بأنفسهم: من الأحوال الجميلة. [ج:۲، ص:۱۲۰]

سُوْٓءًا ۔ سے مراد عذاب اور ہلاکت ہے۔ تفسیر بغوی میں ہے: سُوْٓءًا أي: عذابا وهلاكا. [ج:۴، ص:۳۰۳]

اس آیۂ کریمہ میں قدرت کا ایک مہتم بالشان قانون بیان کیا گیا ہے کہ رب قدیر اس وقت تک کسی قوم سے اپنی عطا کردہ نعمتوں کو واپس نہیں لیتا ہے جب تک وہ خود اچھے اعمال کو برے اعمال میں تبدیل نہ کر دے۔

سورۂ انفال کی درج ذیل آیۂ کریمہ میں بھی اسی غیر متزلزل اور اٹل قانون کا بیان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۙ ۝۵۳ [سورۃ الانفال، آیت:۵۳]

ترجمہ: یہ اس لیے کہ اللہ کسی قوم سے جو نعمت انہیں دی تھی بدلتا نہیں جب تک وہ خود نہ بدل جائیں اور بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ [کنز الایمان]

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

عن إبراهيم قال: أوحى الله إلى نبي من أنبياء بني إسرائيل: أن قل لقومك: إنه ليس من أهل قرية ولا أهل بيت يكونون على طاعة الله فيتحولون منها إلى معصية الله، إلا تحول لهم مما يحبون إلى ما يكرهون.

یعنی: حضرت ابراہیم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کو یہ وحی کی: اپنی قوم سے یہ کہہ دو کہ جس گاؤں کے باشندگان اور جس گھر کے افراد بھی پہلے اللہ رب العزت کے مطیع اور فرماں بردار تھے، پھر وہ اطاعت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی محبوب و مرغوب اشیا کو مکروہات میں تبدیل فرمادیا۔ [تفسیر ابن کثیر، ج:۴، ص:۴۴۰]

کتب تواریخ میں اس قانون قدرت کی بے شمار نظیریں اور مثالیں موجود ہیں۔ ماضی بعید میں ۸۰۰ر سال تک اسپین پر اسلامی حکومت کے بعد وہاں سے سلطنت اسلامیہ کا چراغ گل ہو جانا، تین بر اعظموں پر نافذ اسلامی حکومت کا شیرازہ پاش پاش ہو جانا، اسلاف کرام اور عمائد دین و ملت کی انتھک جد و جہد سے حاصل ہونے والے قبلۂ اول "بیت المقدس" پر یہودیوں کا قبضہ ہو جانا اور ماضی قریب میں مسلم ممالک کا کافر حکومتوں کی دست نگر ہو جانا، عراق، افغانستان کا غیروں کے تسلط اور قبضے میں چلا جانا، غیر منقسم ہندوستان کا متعدّد ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانا، اور حال کے ناگفتہ بہ احوال و کوائف، مصائب و آلام، امراض و اسقام اسی قانون قدرت کی نظیریں ہیں۔

خرد مندی یہ ہے کہ مسلمان ہوش کے ناخن لیں اور ماضی و حال کے احوال و کوائف سے درس عبرت حاصل کریں، اللہ رب العزت اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی نافرمانی سے تائب ہو کر اس کی رضا کی تلاش و جستجو میں رہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل سلیم کی بیش قیمت دولت ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ قائد المرسلین ﷺ۔ ☆☆☆

طہارت کے آداب واحکام: احادیث کی روشنی میں

مولانا شمس الدین رضوی: استاذ مدرسہ سید العلوم گلشن رضا، رحمٰن نگر، کونہ، اتر دیناج پور بنگال

طہارت وپاکیزگی حاصل کرنا انسانی فطرت کا بنیادی تقاضا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی اس فطرت کے مطابق پاخانہ اور پیشاب کے بعد طہارت حاصل کیے بغیر سکون محسوس نہیں کرتا، شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر مرحلے میں مکمل رہنمائی کی ہے، زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جہاں مسلمانوں کے لیے واضح احکام وہدایات موجود نہ ہوں، یہ اور بات ہے کہ مسلمانوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے ان احکام کے عمل درآمد میں کوتاہی برتنا شروع کر دیا ہے، خاص طور سے طہارت کے احکام وآداب سے ناواقفیت انتہا کو پہنچی ہوئی ہے، وضو، غسل، پیشاب پاخانہ، اور دیگر نجاستوں کے احکام اور ان سے پاکی حاصل کرنے کا طریقے معلوم نہیں ہوتے، جنھیں معلوم ہوتا ہے ان میں بھی بعض افراد اس معاملے میں لاپرواہی برتتے ہیں، اس لیے ہم نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات وارشادات کی روشنی میں طہارت کے آداب واحکام بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

عن انس قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل الخلاء يقول اللهم انى اعوذ بك من الخبث و الخبائث. [مسلم شریف، کتاب الطہارۃ]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تو اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَ الْخَبَائِثِ پڑھتے۔

عن ابی ایوب الانصاری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم اذا اتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها۔

[بخاری شریف، ج:۱، ص:۲۶، باب لایستقبل القبلۃ]

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا کہ جب تم پاخانہ یا پیشاب کے لیے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ اس کی جانب پیٹھ کرو۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

"ومذہب امام اعظم ابو حنیفہ آں ست کہ استقبال قبلہ و استدبار آں در بول و غائط حرام ست چہ در صحرا و چہ در خانہا۔"

[اشعۃ اللمعات ج:۱، ص: ۱۹۸]

یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا حرام ہے خواہ جنگل ہو یا گھر۔

عن انس قال كان النبى صلى الله تعالى عليه وسلم اذا اراد الحاجة لم يرفع ثوبه حتى يد نو من الا رض. [مشکوۃ شریف ص:۴۲، باب آداب الخلاء]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم جب قضاے حاجت کا ارادہ فرماتے تو جب تک بیٹھتے ہوئے زمین کے قریب نہ پہنچ جاتے کپڑا نہ اٹھاتے۔

عن انس كان النبى صلى الله عليه وسلم اذا دخل الخلاء نزع خاتمه [مشکوۃ المصابیح کتاب الطہارۃ]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب استنجا پاخانہ میں جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے۔ [اس لیے کہ اس پر "محمد رسول اللہ" نقش تھا۔]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث شریف کے تحت فرماتے ہیں:

ازیں جا معلوم شد کہ داخل متوضا را باید کہ چیزے را کہ در وے نام خدا و رسول خدا و قرآن ست با خود نبرد و بعض شروح گفتہ کہ ایں شامل ست اسماے تمام انبیاء را صلوت اللہ علیہم

اجمعین [اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۰۱]

یعنی اس حدیث سے معلوم کہ بیت الخلا میں داخل ہونے والے کو چاہیے کہ ایسی چیز کہ اس میں خدا اور رسول کا نام یا قرآن کا کوئی کلمہ ہو تو اسے اپنے ہمراہ نہ لے جاے اور بعض شروح میں کہا گیا ہے کہ یہ حکم انبیاے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے اسما کو بھی شامل ہے۔

عن عبد اللہ ابن سرجس قال قال رسول اللہ صلی تعالی علیہ وسلم لا یبولن احدکم فی جحر. [ابوداؤد، ج:۱، ص:۵ باب النھی عن البول فی الجحر]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن سرجس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص سراخ کے اندر ہرگز پیشاب نہ کرے۔

عن عمر قال رانی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و انا ابول قائما فقال یا عمر لا تبل قائما فما بلت قائما بعد. [ترمذی شریف، ج:۱ص:۹، باب النھی عن البول قائما]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی علیہ الصلوۃ والتسلیم نے مجھے اس حال میں دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو اس کے بعد میں نے کھڑے ہو کر کبھی پیشاب نہ کیا۔

واضح رہے کہ طہارت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، اسے پھینک دینا اسراف ہے تہبند اور لنگی پہننے والے پیشاب کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے ران اور گھٹنہ کھول کر بیٹھ جاتے ہیں، یہ نا جائز و حرام ہے، اس لیے کہ لوگوں کے سامنے ستر بالاجماع فرض ہے۔[بہار شریعت]

بہار شریعت ج سوم ص ۲۵۰ میں ہے:

بعض بے باک ایسے ہیں کہ لوگوں کے سامنے گھٹنے بلکہ ران تک کھولے رہتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور اس کی عادت ہے تو فاسق ہے۔

اللہ جل شانہ ہم سب کو احکام شریعت اور اسلامی اخلاق وآداب پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

☆ ☆ ☆

فقہی احکام

شرعی رہنمائی

مفتیانِ عظام

آپ کے سوالات مفتیانِ عظام کے جوابات

قارئین اپنے سوالات درج ذیل ای میل آئی ڈی اور واٹسپ نمبر پر بھیج سکتے ہیں۔

Paighamemustafa2018@gmail.com WhatsApp 8953078321

قراءت کی ایسی غلطی جس سے معنی فاسد ہوجائے نماز بھی فاسد کردیتی ہے۔

کیافرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ اگر امام "لمن یُقتل" کی بجائے "لمن یَقتل" پڑھے اور "الحمد" کی بجائے "الھمد" پڑھے اور "اھدنا الصراط الذین" کی بجائے "اھدنا الثرات اللجین" پڑھے اور "ایاك نعبد" کی بجائے "ایاقانابد" پڑھے توکیاان صورتوں میں نماز ہوجائے گی؟ جواب عنایت فرماکر مشکور فرمائیں۔

سائل: محمد عبدالواحد رضوی، مقام: بلیامرہ، اتردیناج پور، بنگال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجـــــــــواب: شرع مطہر کا قاعدہ یہ ہے کہ اعراب کی غلطی یا حروف کی ادائگی میں غلطی اگر ایسی ہو جس سے معنی فاسد ہو جائے تونماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، ایسی غلطیوں کے ساتھ پڑھی گئی تمام نمازوں کا اعادہ فرض ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

إذَا لَحَنَ فِی الْإِعْرَابِ لَحْنًا لَا يُغَيِّرُ الْمَعنیٰ لَا تَفْسُدُ صَلَاتُهُ بِالْاِجْمَاعِ وَإِنْ غَيَّرَ الْمَعْنَى تَغْيِيرًا فَاحِشًا فَسَدَتْ صَلَاتُهُ [فتاویٰ عالم گیری، ج:۱، ص:۸۱، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ]

سوال میں قرات کی جو غلطیاں پیش کی گئی ہیں، سب میں فساد معنی ہے، اس لیے ان صورتوں میں نماز ہر گز ہر گز نہیں ہوگی، لوگوں پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنائیں۔ ایسے کا امام بننا اور امام بنانا دونوں گناہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محمد ذوالفقار علی الرشیدی المصباحی

خادم: جامعۃ الزہرا للبنات، ناظرپور،، راساکھوا، اتردیناج پور

تعویذ سے متعلق دواحادیث کریمہ کی توضیح

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیان شرع متین اس حدیث سے متعلق کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تعلق تمیمة فلا أتم اللہ له ومن تعلق ودعة فلا ودع اللہ له روہ احمد والحاکم۔

ایک اور روایت میں ہے: من تعلق تمیمة فقد اشرك ،رواہ احمد صحیح الجامع۔

ان دونوں حدیثوں کی تشریح وتفصیل وتوضیح فرماکر مشکور فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

المستفتی: [مولانا] محمد تحسین رضا قادری، خادم دار العلوم ضیاے مصطفیٰ، فہیم آباد، کان پور، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجـــــــــواب: درج بالا احادیث کریمہ کو سمجھنے سے پہلے "تمیمة" کی حقیقت سے آگاہی وآشنائی ضروری ہے۔

عموماً سیپ اور پتھر کو تمیمہ کہا جاتا ہے۔ اہل عرب دھاگوں میں سیپ اور کوڑیاں پروکر بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ان سیپیوں اور کوڑیوں کے وجہ سے بچہ نظر بد سے محفوظ ومامون رہے گا۔ شہادت کے طور پر ذیل کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

جامع الاصول فی احادیث الرسول میں ہے:

التمائم: الخروز وعقدھا: تعلیقھا علی الانسان

ترجمہ: تمائم کا معنی خروز ہے، یعنی ڈوری میں پروئی ہوئی سپیاں اور کوڑیاں، اور ان کے عقد کا مطلب ہے ان کو انسان کے گلے میں لٹکانا۔ [ج:۴، ص:۳۳۷، دار الکتب العلمیہ]

شرح السنہ میں ہے: التمائم: جمع التمیمة و ھی خرزات کانت العرب تعلقھا اولادھم یتقون بھا العین بزعمھم فابطلھا وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطع التمیمة من عنق الفضل بن عباس۔

ترجمہ: تمائم تمیمہ کی جمع ہے ان سیپیوں یا کوڑیوں کو کہتے ہیں

جن کو عرب اپنے بچوں کے گلے میں لٹکاتے تھے، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس کی وجہ سے نظر بد نہیں لگتی، شرع مطہر نے اس فاسد عقیدہ کو باطل کیا۔ روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فضل بن عباس کے گلے سے تمیمہ کو کاٹ دیا۔[ج:۱۲، ص:۱۵۹، ۱۵۸]

السنن الکبریٰ میں ہے: والتميمة يقال إنها خرزة كانوا يتعلقونها يرون انها تدفع عنهم الآفات ويقال قلادة تعلق فيها العوذ۔

ترجمہ: تمیمہ ان سیپوں اور کوڑیوں کو کہتے ہیں جن کو [دور جاہلیت میں لوگ] گلے میں لٹکاتے تھے اس کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس سے مصائب دور ہوتے ہیں۔[ج:۹، ص:۳۵۰، تحت حدیث:۱۹۳۸۸]

عون المعبود میں ہے: قال في النهاية التمائم جمع تميمة وهي خرزات كانت العرب تعلقها على أولادهم يتقون بها العين في زعمهم فأبطلها الإسلام [ج:۱۰، ص: ۲۶۲]

ردالمحتار میں ہے: وَفِي الشَّلَبِيِّ عَنْ ابْنِ الْأَثِيرِ : التَّمَائِمُ جَمْعُ تَمِيمَةٍ وَهِيَ خَرَزَاتٌ كَانَتْ الْعَرَبُ تُعَلِّقُهَا عَلَى أَوْلَادِهِمْ يَتَّقُونَ بِهَا الْعَيْنَ فِي زَعْمِهِمْ ،فَأَبْطَلَهَا الْإِسْلَامُ۔

ترجمہ: شلبی میں ابن اثیر سے منقول ہے کہ "تمائم" تمیمہ کی جمع ہے اور یہ وہ سیپیاں ہیں جن کو عرب اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تھے، ان کا زعم یہ تھا کہ اس کی وجہ سے بچے نظر بد سے محفوظ رہتے ہیں۔[ردالمحتار، ج:۹، ص:۵۲۳، کتاب الحظر والاباحۃ]

یہ حق ہے کہ اسلام میں تمیمہ یعنی سیپوں او کوڑیوں کی قطعًا اجازت نہیں، ان کا استعمال شرعًا ناجائز و گناہ ہے۔ البتہ مطلقًا شرک و کفر کا حکم نہیں بلکہ اگر تمیمہ ہی کو فاعل مؤثر جانے تو شرک کا حکم ہوگا اور یہی اہل عرب کا طریقہ غیر مرضیہ تھا، جس کی نشاندہی احادیث میں کی گئی ہے۔

ردالمحتار میں ہے: وَالْحَدِيثُ الْآخَرُ " { مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ لَهُ } " لِأَنَّهُمْ يَعْتَقِدُونَ أَنَّهُ تَمَامُ الدَّوَاءِ وَالشِّفَاءِ ،بَلْ جَعَلُوهَا شُرَكَاءَ لِأَنَّهُمْ أَرَادُوا بِهَا دَفْعَ الْمَقَادِيرِ الْمَكْتُوبَةِ عَلَيْهِمْ وَطَلَبُوا دَفْعَ الْأَذَى مِنْ غَيْرِ اللَّهِ تَعَالَى الَّذِي هُوَ دَافِعُهُ.

ترجمہ: حدیث میں تمائم کو شرک کہا گیا ہے کیوں کہ دور جاہلیت میں لوگ تمائم سے متعلق مکمل دوا اور شفا کا اعتقاد رکھتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ تمائم اللہ تبارک و تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیروں کا ٹال دیتے ہیں اور وہ غیر اللہ سے مصائب کو دور کرنا چاہتے تھے۔[رد المحتار، ج:۹، ص:۵۲۳، کتاب الحظر والاباحۃ]

عون المعبود میں ہے: والمراد من التميمة ما كان من تمائم الجاهلية ورقاها فإن القسم الذى يختص بأسماء الله تعالى وكلماته غير داخل في جملته [عون المعبود، ج:۱۰، ص:۲۵۰،]

اسی میں ہے: من علق تميمة فلا أتم الله له كأنهم كانوا يعتقدون أنها تمام الدواء والشفاء وإنما جعلها شركا لأنهم أرادوا بها دفع المقادير المكتوبة عليهم وطلبوا دفع الأذى من غير الله الذى هو دافعه انتهى قال السندى المراد تمائم الجاهلية مثل الخرزات وأظفار السباع وعظامها وأما ما يكون بالقرآن والأسماء الإلهية فهو خارج عن هذا الحكم بل هو جائز [مصدر سابق] والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم.

کتبہ: محمد عارف حسین القادری المصباحی

خادم الافتا: بالجامعۃ المخدومیہ سراج العلوم جاج مئو، کان فور

۲۰/اپریل ۲۰۲۰

جے سی بی چلا کر قبرستان کی جھاڑیوں کو اکھاڑنا کیسا ہے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام درج ذیل مسائل میں کہ ہمارے گاؤں کی قبرستان میں جھاڑیاں اس قدر ہو گئی ہیں کہ ان کو کاٹے بغیر تدفین کا عمل مشکل ہو گیا ہے، تو کیا ایسی صورت میں جے سی استعمال کر کے ان جھاڑیوں کو اکھاڑ سکتے ہیں، کیوں کہ ہاتھوں سے ان کو کاٹنا ناممکن ہے، اسی طرح قبرستان کا ایک حصہ نشیبی ہے، جس میں برسات کے موسم میں پانی جمع ہو جاتا ہے، گاؤں والے چاہتے ہیں کہ ٹرالی کے ذریعہ اس حصے میں مٹی ڈال کر بلند کر دیں تو کیا قبرستان میں ٹرالی چلانا اور قبروں کے نشانات کو مٹا کر نشیبی حصے کو دوسرے حصوں کے برابر کر دینا جائز ہوگا۔ برائے کرم شریعت مطہرہ کا جو بھی حکم ہو آگاہ فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ رضوی، گوپال گنج بہار

بسم الله الرحمن الرحيم

الجـــــــواب: قبور مسلمین کی تعظیم اور اداب واحترام لازم وواجب ہے اور بے ادبی وگستاخی گناہ۔ اسی لیے بلا ضرورت مسلمانوں کی قبروں پر چلنے اور روندنے کو حدیث پاک میں آگ پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لان امشی علی جمرۃ او سیف او اخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر[سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور، ص:۱۱۳]

فقہائے کرام نے بلاضرورت قبروں پر چلنے، ان پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے، کیوں کہ یہ حرمت مومن کے خلاف، بے ادبی اور گستاخی ہے۔ ہاں! شدید ضرورت کے وقت بقدر ضرورت چلنا جائز ہے، مثلا قبرستان میں میت کے لیے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں اور بیچ میں قبریں حائل ہیں تو اس حاجت کے لیے اجازت ہے، لیکن جہاں تک ممکن ہو بچتے ہوئے جائے۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

الحاجة کدفن المیت لایکرہ اہ وعن السراج فان لم یکن له طریق الا علی القبر جازله المشی علیه للضرورۃ۔[حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی زیارۃ القبور، ص:۳۴۰]

ترجمہ: ضرورت کے پیش نظر مثلا میت کو دفن کرنے جانا ہو تو قبروں پر سے گزرنا مکروہ نہیں، اور سراج سے ہے کہ اگر قبر پر ہی گزرنے کا راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرورتاً جائز ہے۔

قبرستان کے ہرے گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے، کیوں کہ جب تک وہ گھاس تر رہتی ہے، اللہ تعالی کی تسبیح بیان کرتی ہے، اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ردالمحتار کے حوالے سے ہے:

فی جنائز ردالمحتار: یکرہ ایضا قطع النبات الرطب الحشیش من المقبرۃ دون الیابس کمافی البحر والدرر وشرح المنیة، وعلله فی الامداد بانه مادام رطبا یسبح الله تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکرہ الرحمة ونحوہ فی الخانیة انتھی وفی العالمگیریة عن البحرائق: لو کان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیھا۔[فتاویٰ رضویہ رسالہ اھلاک الوہابیین بحوالہ ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز ج:۱، ص:۶۰۶ مصری، وفتاویٰ ہندیہ الباب الثانی عشر فی الرباطات، ج:۲، ص:۱۷۴]

ترجمہ: ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ ترگھاس کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے، خشک کا نہیں، جیسا کہ بحر، درر اور شرح منیہ میں ہے۔ اور امداد میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے، جس سے میت کو انس حاصل ہوتا رہتا ہے، اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت نازل ہوتی ہے اور خانیہ میں بھی اسی طرح ہے۔ عالم گیری میں بحرالرائق سے ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو کاٹ کر لائی جاسکتی ہے، مگر جانور اس میں نہ چھوڑے جائیں۔

قبرستان کی جھاڑیاں اور اس کے گھاس اگر اس قدر بڑے اور گھنے ہو گئے ہوں کہ میت کی تدفین کے لیے وہاں جانا ممکن نہ رہے تو ضرورت کے تحت اسے کاٹ سکتے ہیں، لیکن گھاس اور جھاڑیوں کے کاٹنے میں جہاں تک ممکن ہو قبروں کو روندنے سے بچا جائے۔ لیکن قبرستان میں جے سی بی کے ذریعہ جھاڑیوں کو اکھاڑنا قبروں کی حد درجہ بے حرمتی کا سبب ہوگا، اس میں بہت سارے قبروں کے دھنس جانے اور تہس نہس ہونے کا بھی قوی اندیشہ ہے، لہذا جے سی بی استعمال نہ کیا جائے بلکہ وہاں کے مسلمان خود ہی جھاڑیوں کو کاٹیں یا مزدوروں سے کٹوائیں، یہ کام مشقت طلب ہو سکتا ہے، ناممکن نہیں ہے۔

شریعت مطہرہ نے قبروں کو مسمار کرنے اور ان کے نشانات کو مٹانے کی اجازت نہیں دی ہے، یہ قبروں کی بے حرمتی اور اہل قبور کو ایذا پہنچانا ہے، لہذا قبرستان کا نشیبی حصہ جہاں بارش کے موسم میں پانی جمع ہو جانے کی وجہ سے تدفین میں دشواری پیش آتی ہے، اس پر ٹرالی داخل کر کے مٹی نہیں ڈال سکتے، ہاں اس دشواری کا حل اس طرح نکالا جاسکتا ہے کہ قبرستان کے اس نشیبی حصے میں جو قبریں موجود ہوں ان پر مٹی ڈال کر پہلے نمایاں کر دیا جائے، پھر حسب ضرورت دوسرے حصوں میں قبروں کی بے حرمتی سے بچتے ہوئے احتیاط کے ساتھ مٹی ڈال کر قبرستان کی زمین کو بلند کر لیا جائے، اس طریقہ کار سے قبروں کے نشانات بھی محفوظ رہیں گے اور دشواری بھی دور ہو جائے گی۔

فتاویٰ فقیہ ملت میں ہے:

" قبرستان پر ٹریکٹر چلوانا اور قبروں کے نام ونشان کو مٹانا حرام حرام سخت حرام ہے کہ اس سے مردوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور اس میں اموات مسلمین کی توہین اور بے حرمتی بھی ہے اور مردوں کو تکلیف دینا اور ان کی توہین وبے حرمتی سب کے سب حرام وناجائز ہیں۔" [فتاویٰ فقیہ ملت جلد دوم، ص:۱۸۲] **واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: محمد ساجد رضا مصباحی

خادم افتادارالعلوم غریب نواز داہوگنج منی پٹی کشی نگر یوپی

۸/ ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ

تحقیق و تفہیم

تیسری قسط

امام ابو بکر بن ابی شیبہ اور فقہ حنفی

مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور بنگال

میت کی طرف سے نماز پڑھنے کا حکم

امام ابو بکر بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب "مصنَّف ابن ابی شیبہ" میں میت کی جانب سے اس کی نذر کی تکمیل اور روزوں کی قضا سے متعلق کچھ حدیثیں نقل کی ہیں، اور عنوان باب "باب الصلاۃ عن المیت" قائم فرمایا ہے۔ اس سے ان کا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ جس طرح میت کا قرض ادا کرنے سے اس کے ذمے سے ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح میت کی جانب سے اس کی فوت شدہ نمازوں کو اگر کوئی شخص ادا کردے تو اس کے ذمے سے نمازیں بھی ساقط ہو جائیں گی۔ پہلے ان کی متدل بہ احادیث پیش کی جارہی ہیں، پھر ان شاء اللہ الرحمٰن معتمد کتب و اسفار کے حوالے سے ان احادیث کے محمل حقیقی کی وضاحت کی جائے گی۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ؛ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ، وَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَقَالَ: اقْضِهِ عَنْهَا.

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نذر کے بارے میں استفسار کیا جو ان کی والدہ کے ذمے باقی تھی اور تکمیل سے قبل ان کا انتقال ہو گیا تھا، فرمایا: ان کی طرف سے ادا کردو۔

حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم إِذْ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: إِنَّهُ كَانَ عَلَى أُمِّي صَوْمُ شَهْرَيْنِ، أَفَأَصُومُ عَنْهَا؟ قَالَ: صُومِي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ قَضَيْتِيهِ، أَكَانَ يُجْزِئُ عَنْهَا؟ قَالَتْ: بَلَى، قَالَ: فَصُومِي عَنْهَا.

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، ایک عورت آئی اور عرض گزار ہوئی: میری والدہ کے ذمے دو مہینے کے روزے باقی تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے ادا کر سکتی ہوں، ارشاد فرمایا: ان کی طرف سے روزے ادا کردو، یہ بتاؤ اگر تمھاری والدہ پر قرض ہوتا، تو ان کی طرف سے ادا کرتی تو کیا یہ کافی نہیں ہوتا؟، عرض کی: کیوں نہیں، ارشاد فرمایا: تو پھر ان کی طرف سے روزے بھی ادا کرلو۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كُرَيْبٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ سِنَانِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ حَدَّثَتْهُ عَمَّتُهُ، أَنَّهَا أَتَتِ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، تُوُفِّيَتْ أُمِّي وَعَلَيْهَا مَشْيٌ إِلَى الْكَعْبَةِ نَذْرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: أَتَسْتَطِيعِينَ تَمْشِينَ عَنْهَا؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قَالَ: فَامْشِي عَنْ أُمِّكِ، قَالَتْ: أَوَ يُجْزِئُ ذَلِكَ عَنْهَا؟ قَالَ: نَعَمْ.

ترجمہ: سنان بن عبد اللہ جہنی کی پھوپھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ! میری والدہ نے کعبہ معظمہ پیدل جانے کی نذر مانی تھی تکمیل سے پہلے انتقال کر چکی، ارشاد فرمایا: کیا تم کو اپنی والدہ کی طرف سے پیدل چلنے پر قدرت ہے؟ عرض کی: جی، فرمایا: تو پھر ان کی طرف سے پیدل کعبہ معظمہ چلی جاؤ، عرض کی: کیا یہ انہیں کفایت کرے گا؟ فرمایا: ہاں۔

مذہب حنفی:

دراصل عبادات تین انواع کی ہیں:

[۱] خالص مالی عبادت، جیسے زکاۃ۔ [۲] خالص بدنی عبادت، جیسے نماز و روزہ [۳] وہ عبادتیں جو دونوں کی جامع ہوں، جیسے حج۔ نوع اول کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اس میں نیابت ہر حال میں جائز ہے، نوع دوم میں کبھی بھی نیابت جائز نہیں، جب کہ نوع سوم میں حالت اختیار میں نیابت درست نہیں البتہ اضطراری کیفیت میں روا ہے۔ لمعات التنقیح میں ہے:

وتفصيله أن العبادات أنواع: مالية محضة كالزكاة،

وبدنية محضة كالصلاة، ومركبة منهما كالحج، والنيابة تجري في النوع الأول في حالتي الاختيار والضرورة لحصول المقصود بفعل النائب، ولا تجري في النوع الثاني بحال؛ لأن المقصود هو إتعاب النفس، وهو لا يحصل به، ويجري في النوع الثالث عند العجز للمعنى الثاني وهو المشقة بتنقيص المال، ولا تجري عند القدرة لعدم إتعاب النفس"[لمعات التنقیح، ج:۴، ص: ۳۹۱]

اس تفصیل کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واشگاف ہوگئی کہ نماز میں نیابت درست نہیں، کوئی میت کی طرف سے از خود یا میت کی وصیت کے بعد ادا کردے تو میت کے ذمہ سے ساقط نہ ہوں گی، ہاں! اگر نماز کا ثواب میت کی روح کو ایصال کرے یا میت کے وارثین فوت شدہ نمازوں کا فدیہ ادا کردیں تو درست ہے، میت کو بھی فدیہ کا ثواب ملے گا، یہ کثیر آیات اور احادیث وآثار سے ثابت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"شیخ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے گا اور وُہ کافی ہوگا۔ اگر زندگی میں عجز زائل ہوکر قوت نہ آجائے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا کہ اس سے عجز مستمر متحقق نہیں ہوتا مگر دمِ واپسیں کھڑے ہوکر نہ ہوسکے بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہ ہوسکے لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔[فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۶۱۱، رسالہ: تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلاۃ والصیام]

یعنی نماز کا فدیہ دے تو ثواب ملے گا مگر وہ کافی نہ ہوگا، جس طرح سجدۂ تلاوت کے فدیہ سے ثواب ملے گا مگر فدیہ کی وجہ سے سجدۂ تلاوت کا وجوب ذمے سے ساقط نہ ہوگا۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادا یا توبہ دقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا بیکار ہے
آخر اک نیکی ہے نیکی ماحیِ اوزار ہے
قُلْتُهُ اَخْذًا مِّنَ التَّعْلَيْلِ فِيْ اَمْرِ الصَّلٰوة
وَهُوَ بَحْثٌ ظَاهِرٌ وَالْعِلْمُ حَقًّا لِلْاِلٰه
[فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۶۵۵، باب سجود التلاوۃ]

مذہب حنفی کے دلائل:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ، وَلَا يَصُومَنَّ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَكِنْ إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا تَصَدَّقْتَ عَنْهُ أَوْ أَهْدَيْتَ"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اور نہ روزہ رکھ سکتا ہے، اگر کرنا ہی ہو تو ان کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ کردے۔[بعد کی حدیثوں کا بھی یہی مفہوم ہے، اس لیے ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے]
[مصنف عبد الرزاق، ج:۹، ص:۶۱، حدیث: ۱۶۳۴۶]

مؤطا امام مالک میں ہے:

حَدَّثَنِي عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْأَلُ هَلْ يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ أَوْ يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ فَيَقُولُ لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يُصَلِّي أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ"[مؤطا امام مالک، ج:۳، ص:۴۳۴، حدیث: ۱۰۶۹]

مشکل الآثار میں ہے:

حدثنا يحيى بن عثمان بن صالح قال: حدثنا سوار بن عبد الله العنبري قال: حدثنا يزيد بن زريع قال: حدثنا الحجاج الأحول قال أبو جعفر: وهو الحجاج بن الحجاج الباهلي، قد حدث عنه يزيد، وإبراهيم بن طهمان، وهو مقبول الرواية عند أهلها قال: حدثنا أيوب بن موسى، عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: «لا يصلي أحد عن أحد، ولا يصوم أحد عن أحد، ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مد حنطة»[ج:۵، ص:۳۷۰، حدیث: ۱۹۸۶]

کنز العمال للمتقی میں ہے:

عن ابن عمر قال: لا يصلين أحد عن أحد ولكن إن كنت فاعلا تصدقت عنه أو أهديت"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اگر کرنا ہی ہو تو ان کی طرف سے صدقہ یا ہدیہ کردے۔[کنز العمال، ج:۸، ص:۳۰۶، حدیث: ۲۳۰۴۵]

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: «من نسي صلاة فليصلها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے، یاد آنے پر ضرور ادا کرے، اس کے سوا اس کا کوئی کفارہ نہیں۔

قال أبو حاتم في قوله صلى الله عليه و سلم : [فليصلها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك] دليل على أن الصلاة لو أداها عنه غيره لم تجز عنه

ترجمہ: امام ابو حاتم نے حدیث بالا کے حوالے سے فرمایا: کہ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ اگر کوئی دوسرے کی طرف سے نماز ادا کردے تو کافی نہ ہوگی۔[ج:٦، ص: ٣٧٦، حدیث: ٢٦٤٨]

السنن الکبریٰ میں ہے:

أنبأ محمد بن عبد الأعلى قال حدثنا يزيد وهو بن زريع قال حدثنا حجاج الأحول قال حدثنا أيوب بن موسى عن عطاء بن أبي رباح عن بن عباس قال: لا يصلي أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدا من حنطة

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ ہی روزہ رکھے، بلکہ ہر دن کے بدلے ایک مُد گیہوں [فقیروں] کو صدقہ کردے۔[السنن الکبریٰ للنسائی، ج:٢، ص: ١٧٥، حدیث: ٢٩١٨]

امام ابو بکر بن ابی شیبہ کے دلائل کے جوابات:

[١] امام ابو بکر بن ابی شیبہ کی مستدل بہ احادیث منسوخ ہیں۔ ابھی امام نسائی کی سنن کبریٰ اور امام طحاوی کی مشکل الآثار کے حوالے سے گزرا کہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا، البتہ میت کی جانب سے قضا نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کر سکتا ہے۔ امام ابو بکر بن ابی شیبہ کی مستدل بہ پہلی حدیث بھی حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ راوی کا فتویٰ و عمل اگر ان کی روایت کے خلاف ہو تو وہ اس روایت کے نسخ کی دلیل ہے۔

التمهيد لما في الموطأ من المعاني والاسانيد میں ہے:

وقد كان ابن عباس يفتي بخلافه فدل على أنه غير صحيح عنه

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس روایت کے خلاف تھا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔[ج: ٩، ص: ٢٧، شاملہ]

لما أفتى ابن عباس وعائشة بخلاف ما روياه دل ذلك على أن العمل على خلافه لأن فتوى الصحابي بخلاف مرويه بمنزلة روايته للناسخ[شرح الزرقانی، ج: ٢، ص: ٢٤٨/ مرقاۃ المفاتیح، ج:٦، ص: ٣٥٥]

[٢] کچھ محدثین نے یہ نقل کیا کہ ایک عورت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض گزار ہوئی: میری بہن کا انتقال ہو گیا، جب کہ کچھ محدثین نے بہن کی بجائے ماں کا ذکر کیا ہے، ایک روایت میں "صوم" اور دوسری روایت میں "صیام" کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مضطرب ہوئی، اور حدیث مضطرب ضعیف ہے اور یہ گو کہ فضائل میں مقبول اور لائق استناد ہے مگر احکام میں لائق احتجاج و قابل استدلال نہیں۔ هذا حديث قد اختلف فيه عن الأعمش في إسناده ومتنه فقال: فيه جماعة من رواته عنه بإسناده عن ابن عباس قال: جاءت امرأة إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت إن أختي ماتت وعليها صيام وبعضهم يقول في حديث ابن عباس هذا إن امرأة جاءت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت إن أمي ماتت وعليها صوم "[التمہید، مصدر سابق، ص:٢٦]

تعقبات میں ہے:

المضطرب من قسم الضعيف لا الموضوع

ترجمہ: مضطرب، حدیث ضعیف کی قسم ہے موضوع نہیں۔[التعقبات علی الموضوعات، باب الجنائز، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ، ص:٦٢]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ دربارہ فضائل مقبول رہے گی۔[فتاویٰ رضویہ مترجم، ج:٥، ص: ٤٥١، ٤٥٠، منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین]

[٣] امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو درج ذیل چھ وجوہ سے ترک کیا ہے اور اسے غیر معمول بہ قرار دیا ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے:

أحدها أنه لم يجد عليه عمل أهل المدينة الثاني أنه حديث اختلف في إسناده ومتنه الثالث أنه رواه البزار وقال في آخره لمن شاء وهذا يرفع الوجوب الذي قالوا به الرابع أنه معارض لقوله تعالى ولا تكسب كل نفس إلا عليها وقوله تعالى ولا تزر وازرة وزر أخرى وقوله تعالى وإن ليس للإنسان إلا ما سعى الخامس أنه معارض لما أخرجه النسائي عن ابن عباس عن النبي أنه قال لا يصلي أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدا من طعام السادس أنه معارض للقياس الجلي وهو أنه عبادة بدنية فلا مدخل للمال فيها ولا يفعل

ترجمہ: [۱] اہل مدینہ کا اس حدیث پر عمل نہیں، [۲] اس حدیث کی سند اور متن میں اختلاف ہے [۳] امام ابو بکر بن عمرو بزار نے "مسند بزار" میں اس حدیث کے اخیر میں "لمن شاء" کا اضافہ کیا ہے جو رافع وجوب ہے [۴] یہ حدیث آیۂ کریمہ "ولا تکسب کل نفس إلا علیها" "لا تزر وازرة وزر أخرى" "ليس للإنسان إلا ما سعى" کے معارض و مخالف ہے۔ [۵] سنن نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ ہی روزہ رکھے، بلکہ ہر دن کے بدلے ایک مُد گیہوں [فقیروں] کو دیدے، وہ حدیث اِس کے بھی معارض و مخالف ہے [۶] نماز چوں کہ بدنی عبادت ہے اور اس میں مال کا کوئی دخل نہیں اس لیے یہ حدیث قیاس جلی کے بھی خلاف ہے۔ [عمدۃ القاری، ج:۱۶، ص: ۵۰۰]

نماز میں سورت کی تخصیص کا حکم

مذہب حنفی:

سورتوں کا معین کر لینا کہ اس نماز میں ہمیشہ وہی سورت پڑھا کرے، مکروہ ہے، مگر جو سورتیں احادیث میں وارد ہیں ان کو کبھی کبھی پڑھ لینا مستحب ہے، مگر مداومت نہ کرے کہ کوئی واجب نہ گمان کر لے۔ جمعہ و عیدین کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ دوسری میں هَلْ أَتٰكَ پڑھنا سنت ہے کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے، یہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔ [در مختار و رد المحتار، ج:۴، ص: ۱۹۳، ۱۹۲، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القراۃ، شاملہ]

حضرت امام ابو بکر بن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعیین سورت کے بلا کراہت جواز کے قائل ہیں، اور انہوں نے درج ذیل احادیث کریمہ سے اپنے موقف پر استناد کیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ، فَصَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ، فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْجُمُعَةِ فِي السَّجْدَةِ الأُولَى، وَفِي الآخِرَةِ: {إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ}. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَأَدْرَكْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ حِينَ انْصَرَفَ، فَقُلْتُ: إِنَّكَ قَرَأْتَ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ رَحِمَهُ اللهِ يَقْرَأُ بِهِمَا فِي الْكُوفَةِ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ بِهِمَا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی، جب نماز سے باہر ہوئے تو عبید اللہ نے کہا: آپ نے ان دو سورتوں کی تلاوت فرمائی ہے جنہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں پڑھتے تھے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور انور ﷺ کو بھی تلاوت کرتے سنا ہے۔

حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، أُرَى فِيهِمْ أَبَا جَعْفَرٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ بِسُورَةِ الْجُمُعَةِ، وَالْمُنَافِقِينَ، فَأَمَّا سُورَةُ الْجُمُعَةِ: فَيُبَشِّرُ بِهَا الْمُؤْمِنِينَ وَيُحَرِّضُهُمْ، وَأَمَّا سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ: فَيُؤْيِسُ بِهَا الْمُنَافِقِينَ وَيُوَبِّخُهُمْ.

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نماز جمعہ میں اہل ایمان کو خوش خبری سنانے اور ان کی تشجیع کے لیے سورۂ جمعہ کی اور منافقوں کی زجر و توبیخ اور ترہیب کے لیے سورۂ منافقون کی تلاوت فرماتے۔

حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ، وَفِي الْجُمُعَةِ بـ: {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى}، وَ {هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ}، وَإِذَا اجْتَمَعَ الْعِيدَانِ فِي يَوْمٍ قَرَأَ بِهِمَا فِيهِمَا.

ترجمہ: نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین اور نماز جمعہ میں سورۂ اعلیٰ اور سورۂ

غاشیہ کی تلاوت فرماتے اور جب عید اور جمعہ کا ایک ہی دن میں اجتماع ہوتا تو دونوں میں انہیں سورتوں کی تلاوت کرتے۔

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ؛ بِنَحْوِ حَدِيثِ جَرِيرٍ.

حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ ، يَقُولُ : خَرَجَ عُمَرُ يَوْمَ عِيدٍ، فَسَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ : بِأَيِّ شَيْءٍ قَرَأَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم فِي هَذَا الْيَوْمِ ؟ فَقَالَ : بِ: {ق} وَ {اقْتَرَبَتْ}۔

ترجمہ: فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بروز عید، عید گاہ کے لیے نکلے تو ابو واقد لیثی سے یہ استفسار فرمایا کہ اس دن حضور ﷺ کونسی سورت کی تلاوت فرماتے۔ فرمایا: ق، اور اقتربت۔

دلائل کے جوابات:

سبحان اللہ! ان احادیث کریمہ سے قطعًا تعیین سورت کا حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ احادیث عدم تعیین پر دال ہیں، غور فر مائیں! حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو جعفر کی حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اکرم ﷺ مومنین کو خوش خبری سنانے، انہیں اعمال حسنہ پر ابھارنے اور منافقین کی زجر و توبیخ کے لیے جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ نعمان بن بشیر اور سمرہ کی حدیث میں صراحت ہے کہ جمعہ و عیدین میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأَعْلَى}، وَ {هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ پڑھتے تھے جب کہ عبید اللہ بن عبد اللہ کی حدیث میں {ق} وَ {اقْتَرَبَتْ کا ذکر ہے۔ شرح معانی الآثار میں ہے:

فَفِي ذَلِكَ دَلِيلٌ عَلَى أَنْ لاَ تَوْقِيتَ لِلْقِرَاءَةِ فِي ذَلِكَ , وَأَنَّ لِلإِمَامِ أَنْ يَقْرَأَ فِي ذَلِكَ مَعَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَيَّ الْقُرْآنِ شَاءَ

یعنی مذکورہ احادیث کریمہ اس بات پر دلیل ہیں کہ نماز میں کسی خاص سورت کی تعیین کا حکم نہیں ہے، امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی بھی سورت کی تلاوت کر سکتا ہے۔ [شرح معانی الآثار، ج:۲، ص: ۳۳۳، شاملہ]

نیز اسی میں ہے:

فَلَيْسَ فِي ذَلِكَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ كَانَ لاَ يَتَجَاوَزُ ذَلِكَ إِلَى غَيْرِهِ ,لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ لَمْ يَحْكِ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ : لاَ يُقْرَأُ فِي صَلاَةِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَعَ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ غَيْرُ هَاتَيْنِ السُّورَتَيْنِ

یعنی: مذکورہ سورتوں کے سوا دوسری سورتیں نہیں پڑھی جا سکتی ہیں، اس پر احادیث مذکورہ میں کوئی دلیل نہیں، اور نہ نبی اکرم ﷺ سے یہ منقول ہے کہ جمعہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ ان دونوں سورتوں [سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون] کے علاوہ دوسری سورتیں نہیں پڑھی جا سکتیں۔ [مصدر سابق]

عمدۃ القاری میں ہے:

فَهَذِهِ الْأَحَادِيث فِيهَا لَفْظَة: كَانَ، وَلم تدل على المداومة، بل كَانَ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَرَأَ بِهَذَا مرّة وَبِهَذَا مرّة، فَفِيهِ دَلِيل على أَن لَا تَوْقِيت للْقِرَاءَة فِي ذَلِك، وَأَن للْإِمَام أَن يقْرَأ فِي ذَلِك مَعَ فَاتِحَة الْكتاب أَي الْقُرْآن شَاءَ.

یعنی: ان احادیث کریمہ میں لفظ "کان" کا استعمال ہوا ہے جو مداومت و ہمیشگی پر دال نہیں، بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ جمعہ و سورۂ منافقون پڑھتے اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرماتے۔ مذکورہ احادیث کریمہ اس بات پر دلیل ہیں کہ نماز میں کسی خاص سورت کی تعیین کا حکم نہیں ہے، امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی بھی سورت کی تلاوت کر سکتا ہے۔ [عمدۃ القاری، ج:۶، ص: ۱۸۵، شاملہ]

مذہب حنفی کی ترجیح:

مذہب حنفی بہ چند وجوہ راجح ہے۔

[۱] قرآن حکیم میں ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ

ترجمہ: قرآن سے جو میسّر آئے پڑھو۔ [مزمل، آیت:۲۰]

جمعہ، عیدین یا کسی بھی نماز میں کوئی سورت متعیّن کر دینا اس آیۂ کریمہ کے یکسر خلاف ہے۔ سورۂ فاتحہ کا وجوب چوں کہ نص صریح سے ثابت ہے اس لیے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

[۲] سورت کی تعیین سے خدشہ ہے کہ لوگ اسے واجب نہ سمجھ لیں، اس لیے عدم تعیین ہی اولیٰ ہے۔

[۳] جمعہ اور عیدین کے سوا دوسری نمازوں میں امام ابو بکر بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ بھی عدم تعیین کے قائل ہیں اس لیے قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ ان نمازوں میں بھی تعیین نہیں ہونی چاہیے۔ [جاری]

شیخ جلال الدین تبریزی اور اتر بنگال میں اشاعت اسلام

مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی: صدر المدرسین دار العلوم اہل سنت منظر اسلام، التفات گنج، امبیڈکر نگر

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بنگال کے اولین مبلغین اسلام میں سے ہیں، آپ نے بنگال کے ظلمت کدے میں اسلام کی شمع روشن کرنے میں اہم کردار ادا کیا، آپ کا سالانہ عرس ہر سال ۲۲،۲۱ رجب المرجب کو پنڈوہ شریف میں منایا جاتا ہے، اس سال عرس مقدس کے موقع پر فاضل محقق حضرت **مفتی عبدالخبیر اشرفی مصباحی** حفظہ اللہ تعالیٰ کی ایک گراں قدر کتاب **"شیخ جلال الدین تبریزی-احوال وآثار"** پر منظر عام پر آچکی ہے، اسی اہم کتاب کا ایک حصہ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ **محمد ساجد رضا مصباحی**

ہجرت نبوی کی چھٹی صدی کا نصف آخر اور ساتویں صدی کا نصف اول، بھارت میں اشاعت اسلام کا ایک نیا دور لے کر آتا ہے۔ سرخیل سلسلۂ چشتیہ خواجۂ دین وملت معین الدین چشتی سجزی، تاج دار اہل سنت قطب الدین محمد بختیار کاکی اوشی، شیخ معرفت وطریقت شیخ محمد معروف بہ حمید الدین ناگوری اور سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی، مخدوم سید شہاب الدین پیر جگجوت، مخدوم سید جلال الدین سرخ پوش بخاری وغیرہم جیسی شخصیتیں اسی دور میں بھارت آئیں۔ اسی دور میں بھارت کی سرزمین نے اپنی کوکھ سے نابغۂ روزگار شخصیتوں کو جنم دیا۔ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی، مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، شیخ الاسلام فرید الدین مسعود گنج شکر، مخدوم سید جلال الدین جہانیان جہاں گشت اوچی وغیرہم جیسی شخصیتیں اسی دور میں عالم شہود میں آئیں۔

اس دور کی بڑی مسلم مذہبی شخصیات نے تبلیغ واشاعت دین کے لیے مختلف علاقوں کا انتخاب کیا۔ بعض نے ایسے علاقوں کو چنا جن میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی اور دیگر بعض نے ایسے علاقوں میں اپنا مرکز قائم کیا جہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلم حکومتی علاقوں میں خدمت دین کرنا غیر مسلم حکومتی علاقوں کی بنسبت آسان ہوتا ہے۔ یہاں مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، مبلغ اسلام کو آزاد طریقے سے تبلیغ کا موقع ملتا ہے، جان ومال کی سلامتی رہتی ہے۔ خوش نصیبی سے اگر سلطان یا حاکم اسلام کی سرپرستی حاصل ہو جائے تو مزید سہولتیں ملتی ہیں اور کام میں نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔

خواجۂ دین وملت سید شاہ معین الدین چشتی سجزی نے راجستھان کا علاقہ چنا، یہاں راجا تھوی راج چوہان کی حکومت تھی۔ سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی نے اتری بنگال کا علاقہ منتخب کیا، یہاں راجا لکشمن سین کی حکومت تھی۔ ان مبلغین اسلام نے جن علاقوں کو تبلیغ اسلام کے لیے منتخب کیا تھا وہ غیر مسلم حکومتی تھے، ایسے علاقوں میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا کام آسان نہیں ہوتا ہے۔ مبلغ اسلام کو کوئی سہولت میسر نہیں ہوتی ہے، جگہ جگہ مشکلیں کھڑی ملتی ہیں، چہار جانب سے مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہمہ وقت جان ومال کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی کے عہد کا بنگال:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی کے دور میں بنگال کی سلطنت غیر مسلم راجا لکشمن سین کے ہاتھ میں تھی۔ راجا لکشمن سین کے دادا راجا وجۓ سین نے یہاں نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی تھی، اس کا دور حکومت ۱۰۹۵ء سے ۱۱۵۸ء تک محیط تھا، اس نے وسیع خطۂ بنگال کو زیر سلطنت کر لیا تھا۔ راجا وجۓ سین کے لڑکے راجا بلّال سین نے ۱۱۵۸ء میں

حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، ۱۱۷۹ء تک حکمرانی کی، راجا بلاّل سین کو بنگال کی سیاسی تاریخ میں سین خاندان کا بہترین راجا قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے بہت سے سماجی بہبود کے کام انجام دیے۔ راجا بلاّل سین کے انتقال کے بعد ۱۱۷۹ء میں راجا لکشمن سین تخت نشیں ہوا، وہ ایک انصاف پسند بادشاہ تھا، اس کی سلطنت میں رعایا کو آزادی حاصل تھی، اور یہی آزادی بادشاہ کی مضبوطی تھی، اس کی سلطنت وسیع خطۂ ارض کو محیط تھی۔ راجا لکشمن سین مسلم حکمراں بختیار خلجی کی آمد ۱۲۰۵ء تک حکمراں رہا۔ سلطان العارفین شیخ تبریزی جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ اسی راجا کے دور حکمت میں بنگال آئے، راجا اور حضرت شیخ تبریزی کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ راجا حضرت شیخ تبریزی کی عظیم شخصیت سے حد درجہ متاثر تھا، وہ حضرت شیخ تبریزی سے محبت کرنے لگا تھا، ان کی عقیدت کا اسیر بن چکا تھا۔ راجا لکشمن سین اور حضرت شیخ تبریزی کی داستان محبت کو راجا کے وزیر ہلایودھ مشرا نے اپنی کتاب "شیخ شبھودیا" میں افسانوی انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت شیخ تبریزی کی بہت سی کرامتوں کا ذکر بھی دلکش انداز میں کیا گیا ہے۔ اسی سال ۱۴۴۱ھ ماہ رجب، عرس شیخ جلال الدین تبریزی کے موقع پر شائع ہونے والی ہماری کتاب "شیخ جلال الدین تبریزی-احوال واثار" میں درج باتوں کو ہم نے ایک مستقل باب میں درج کیا ہے۔

صوفیائے بنگال پر گہری نظر رکھنے والے ڈاکٹر انعام الحق کے حوالہ سے مصنف آب کوثر نے لکھا ہے۔

"ڈاکٹر انعام الحق کا خیال ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی بنگال میں ۱۱۹۵ء اور ۱۲۰۰ء کے درمیان کسی ایسے وقت میں [بنگال]پہنچے، جب وہاں لکشمن سین کا راج تھا اور مسلمانوں نے بنگال فتح نہیں کیا تھا"۔ [شیخ محمد اکرام، آب کوثر، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲کلب روڈ، لاہور، تئیسواں ایڈیشن، سال اشاعت جون ۲۰۰۶ء، ص: ۳۰۰]

بنگال میں اشاعت اسلام کے ابتدائی مراکز:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی کی آمد بنگال سے قبل ہی یہاں اسلام آچکا تھا۔ متعدّد صوفیۂ کرام اور حامیان دین وسنت نے اسلام کی تبلیغ شروع کردی تھی۔ تبلیغ کا ایک مرکزی دائرہ تھا، اکابر صوفیہ کرام اس کے ارکان تھے۔

اعجاز احمد قدوسی صاحب لکھتے ہیں:

"**بنگال کا پہلا تبلیغی مرکز:** اس زمانے میں جب عرب بنگال آئے، انہوں نے ایک امیر کے تحت [کام کیا] اس تبلیغی مرکز کے روح رواں میر سید سلطان محمود ماہی سوار [۱۰۴۷ء] شاہ محمد سلطان رومی [۱۰۵۳ء] بابا آدم شہید [۱۱۱۹ء] اور شاہ نعمت اللہ بت شکن جیسے اکابر صوفیہ تھے، جنہوں نے سارے بنگال کو اپنی تبلیغی جد وجہد سے منور و تاباں بنایا"۔ [تذکرۂ صوفیائے بنگال، اعجاز الحق قدوسی، مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور، اپریل، ۱۹۶۵ء، ص: ۴۷، ۴۸]

بنگال میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا سہرا محمد بختیار خلجی کے سر ہے، اس نے مذہب اسلام کو اس خطے میں رواج دیا۔ خطہ میں اسلامی سلطنت قائم ہوتے ہی مبلغین اسلام اور داعیان اسلام کی ہمتیں کھل گئیں، یہاں پہلے سے آباد مسلمانوں نے اسلام کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اسلامی سلطنت کے زیر سایہ بیرون صوبہ سے مبلغین اسلام بنگال تشریف لانے لگے، جن میں مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی علیہ الرحمہ کی ذات بھی شامل ہے، خاندان علائیہ نے بنگال کی سرزمین کو اسلام کی بہاروں سے خوب آراستہ وپیراستہ کیا، ایک زمانہ ایسا آیا کہ حضرت شیخ نور قطب عالم پنڈوی علیہ الرحمہ کی تبلیغ سے راجا گنیش کا لڑکا 'جودو' اپنے والد کے خلاف علم بغاوت بلند کردیا اور خود مسلمان ہوکر جلال الدین شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا، خانوادۂ علائیہ کی تبلیغ کا اثر صدیوں بنگال کی سرزمین پر قائم رہا۔

بنگال میں ورود مسعود:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی کا قدم سب سے پہلے بنگال کے کس خطۂ ارض پر پڑا؟ یقین سے نہیں کہا جاسکتا، البتہ آپ کی خدمات کا دائرہ علاقۂ بنگال کا اترّی حصہ رہا۔ بنگال کے آثار ومسلم تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے ڈاکٹر محمد مظلوم خان لکھتے ہیں۔

"Shaikh Jalal al-Din Tabrizi was the

most celebrated of the early saints in Bengal. It was his missionary zeal and great spiritualism that accounted for the spread of Islam and the development of the Muslim in North Bengal in the early days of the Muslim rule in this provice". [Pioneers of Islam in Bengal: The Early Muslim saints of Bengal and their Contributions, Muhammad Mojlum Khan,Page:9,www.bmri.org.uk]

دیو تلا میں پہلا قیام اور دیو کی ہلاکت:

ظن غالب ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی سب سے پہلے دیو تلا[بعض حضرات نے "دیو محل" اور بعض نے "دیو تلاؤ" لکھا ہے۔ تلاؤ: بھوجپوری اور روہیل کھنڈی زبان میں تالاب کو کہتے ہیں، قدیم زمانہ میں دیو تلا میں ایک بڑا تالاب تھا، کہا جاتا ہے کہ اس تالاب میں ایک آدم خور دیو رہتا تھا۔ تالاب اور دیو دونوں لفظوں کی ترکیب سے اس جگہ کا نام دیو تلاؤ ،دیو تلا یا دیو محل پڑا۔]میں قدم رنجہ ہوئے، وہاں سے پنڈوہ، گور یعنی لکھنوتی تشریف لائے۔ تذکرہ نویسوں نے بنگال میں قدم رنجہ ہوتے ہی ایک دیو کو ہلاک کرنے کا واقعہ لکھا ہے۔ یہ واقعہ دیو تلا میں واقع ہوا تھا، قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اسی سرزمین پر شیخ تبریزی علیہ الرحمہ کا پہلا قدم پڑا تھا۔

افضل الفوائد ملفوظات حضرت محبوب الٰہی مرتبہ حضرت خواجہ امیر خسرو میں ہے:

"پھر اسی محل میں[سلطان المشائخ سید نظام الدین دہلوی نے] جلال الدین تبریزی کی حکایت بیان فرمائی کہ ولایت تو وہ تھی جو شیخ جلال الدین تبریزی کو حاصل تھی، کیوں کہ جب انھوں نے ہندوستان کا ارادہ کیا تو ایک شہر میں آئے، وہاں ایک دیو[جن] تھا۔ وہ ہر رات ایک آدمی کو کھا جاتا تھا۔ حضرت شیخ نے اس دیو کو پکڑ لیا اور ایک لوٹے میں قید کر دیا۔ اس شہر کا چودھری ہندو تھا۔

جب اس نے یہ کرامت دیکھی مع تمام مردمان کے آکر مسلمان ہو گیا۔ پھر حضرت شیخ کچھ مدت وہاں رہے۔ حکم دیا کہ وہاں ایک خانقاہ تعمیر کریں۔ جب خانقاہ تیار ہو گئی[تو] ہر روز ایک بھکاری کو بازار سے لے آتے تھے، اس کا سر تراشتے تھے، اس کو بیعت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تجھ کو میں نے خدا کو[تک] پہنچا دیا ۔

اسی طرح ۵۰/ بھکاری صاحب سجادہ کر دیے اور ہر ایک کو صاحب کرامت کر دیا، جب وہ وہاں قائم مقام ہو گئے۔ آپ آگے گور[بنگال] کو روانہ ہو گئے۔[افضل الفوائد، ملفوظات محبوب الٰہی۔ مرتب: خواجہ امیر خسرو۔ اردو ترجمہ بنام "احسن الشواہد" مترجم: مولانا بخش چشتی نظامی سلیمانی۔ ناشر: مطبع رضوی، دہلی باہتمام سید امیر حسن، ۱۳۱۳ء/ص ۵۰]

بعض روایات میں ہے کہ سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی نے دیو کو ہلاک کر دیا تھا۔ ایسا ممکن ہے کہ پہلے آپ نے اسے لوٹا میں قید کیا ہو پھر ہلاک کر دیا ہو۔

جوامع الکلم میں ہے:

"اور یہاں[بدایوں] سے شیخ دیوہ محل آئے۔ ایک کمھار یا مالن کے ہاں قیام کیا۔ دیکھا کہ اس کے گھر میں آہ و شیون کا طوفان برپا ہے۔ پوچھا تو پتا چلا کہ اس شہر میں ایک رسم یہ تھی کہ راجا کے حکم کے مطابق ہر روز ایک نوجوان دیو کے سامنے بھیجا جاتا اور وہ اسے کھا لیتا۔ اس روز شیخ کے میزبان کے بیٹے کی باری تھی۔ شیخ نے کہا کہ اپنے بیٹے کو نہ بھیجو۔ مجھے بھیجو۔ لیکن وہ نہ مانا کہ اگر دیو نے تمھیں قبول نہ کیا تو راجا مجھے قتل کرا دے گا۔

چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو نہلایا دھلایا، نئے کپڑے پہنائے اور اسے بت خانے میں لے گیا۔ شیخ بھی ساتھ تھے۔ بت خانے میں پہنچ کر شیخ نے نوجوان کو رخصت کر دیا اور خود دیو کا انتظار کرنے لگے۔ جب دیو اپنے معمول کے مطابق ظاہر ہوا تو شیخ نے اسے اپنے عصا کی ضرب سے ہلاک کر دیا۔ صبح کو راجا اپنے لشکریوں کے ساتھ بت کی پرستش کو آیا۔ دیکھا کہ اس بت خانے میں ایک آدمی سیاہ کپڑے اور سیاہ ٹوپی پہنے کھڑا ہے اور لوگوں کو بلا رہا ہے۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے۔ راجا خود آگے بڑھا۔ شیخ نے کہا: تم بغیر کسی ہراس کے آگے آؤ۔ دیو کو میں نے ہلاک کر دیا ہے۔ لوگوں نے

دیکھا۔ واقعی ایسے ہی تھا۔ چنانچہ سب لوگ ایمان لائے اور مسلمان ہوئے۔"[ترجمہ از جوامع الکلم۔ص:۱۵۷،جوامع الکلم میں یہ واقعہ ہمیں نہیں ملا]

واقعہ بیان ہوا،ہم نے پڑھ لیا،شیخ کی عظمت کا سکہ دل میں بیٹھ گیا۔اس واقعہ سے حضرت شیخ تبریزی کی حیات کا کون سا پہلوا اجاگر ہوا؟غور کرنے کے بعد ظاہر ہوا۔حضرت شیخ تبریزی انسان دوست تھے،انسانوں کی پریشانی ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔وہ مصائب انسانی کو دور کرنے کے لیے اپنی جان جوکھم میں ڈال لیتے تھے۔انسان دوستی کا جذبہ ان کے دل میں ایسا بھرا تھا کہ وہ مسلم وغیر مسلم میں فرق نہیں کرتے تھے۔انسان کا دھرم چاہے جیسا ہوا گر وہ مبتلائے آلام ہیں تو ان کو راحت پہنچانا حضرت شیخ تبریزی کا کام ہے۔

آلام و مصائب سے لڑنے کے لیے ان کے پاس مادی و سیاسی ہتھیار نہیں تھے۔ان کے پاس صرف ایک ہتھیار تھا،وہ تھا تعلق باللہ تعالیٰ کا ہتھیار،اسی ہتھیار کے بل بوتے وہ ساری مخلوقات کی تسخیر کر لیتے تھے۔

انہوں نے قبول اسلام کے لیے کسی غیر مسلم کو مجبور نہیں کیا۔غیر مسلم ان کے عادات واطوار اوران کی طہارت و پاکیزگی کو دیکھ کر خود بخود اسلام قبول کر لیتے تھے۔

شیخ جلال الدین تبریزی پر جادو کا اثر نہیں ہوتا تھا:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی باکمال بزرگ تھے۔ان پر اللہ کریم کا بڑا فضل تھا،ان پر سحر وجادو کا اثر نہیں ہوتا تھا۔جنات،دیو،پری،شیطان وغیرہ ان کے سامنے درماندہ ہو جاتے تھے۔بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ نے اپنے ملفوظات میں ایک واقعہ درج فرمایا ہے،جس کے مطابق ایک نہیں بلکہ جادوگروں کی پوری ٹولی نے ہنر آزمائی کی،مگر آپ پر ان کے کرتب کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

ملفوظات بندہ نواز گیسودراز" جوامع الکلم" میں ہے:

پھر حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے فضائل کا ذکر نکل آیا ۔حضرت مخدوم نے فرمایا کہ خداوند قدوس نے ان کو بڑی طاقت عطا فرمائی تھی۔کوئی سحر اور جادو ان پر اثر نہیں کرتا تھا۔دیو و پری ان کے سامنے عاجز رہ جاتے تھے ۔حضرت جلال الدین ایک مرتبہ "لونا چمار" کے استھان[جگہ]پر جا بیٹھے۔اس کے کارندوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ کوئی درویش مسافر ہے،اس کو کیا ستائیں،" لونا چمار" کو خبر ہوئی،اس نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ کہو!آپ مسافر ہیں، ہماری جگہ سے چلے جائیں۔آپ کو ہم لوگ کچھ نہیں کریں گے۔

حضرت شیخ نے فرمایا:ہم تو اس جگہ سے نہیں جائیں گے۔ لونا چمار کو خبر ہوئی تو اس نے کہا:تھوڑا اس کو دق کرو خود بھاگ جائے گا۔ان لوگوں نے دق کرنے کی کئی تدابیر کیں،لیکن حضرت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔وہ سب بڑے حیران و پریشان ہوئے۔پھر لونا نے اپنے ماہرین اور جغادریوں کو ان کے خلاف نبرد آزمائی کرنے پر متعیّن کیا،لیکن وہ سب بھی عاجز آ گئے،ان کا کوئی جادو اور عمل کا حضرت پر اثر نہ ہوا۔

لونا چمار کو جب ان باتوں کی خبر ہوئی تو وہ غصہ میں بھرا ہوا خود آیا اور اپنا پورا زور صرف کیا،لیکن بال برابر بھی حضرت کو نقصان نہ پہنچا سکا،عاجز آکر اس نے اپنا آدمی بھیجا کہ جا کر ان سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟حضرت جلال الدین تبریزی نے فرمایا کہ: " میں یہاں ایک مسجد بنوانا چاہتا ہوں،اس میں نماز پڑھ کر یہاں سے جاؤں گا۔لونا چمار نے کہلا بھیجا کہ آپ جو چاہتے ہیں کیجیے ؛بلکہ اس نے مسجد کی تعمیر کا سامان بھی مہیا کر دیا،اس کے بعد حضرت مسجد بنانے کے بعد وہاں آذان دی۔نماز پڑھی اور پھر آگے بڑھے ۔"[جوامع الکلم ،ملفوظات بندہ نواز گیسو دراز ، مرتبہ : حضرت سید اکبر حسینی چشتی،مترجم:پروفیسر معین الدین دردائی،ص : ۲۸۲۔۲۸۳،ادبی دنیا،۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء]

اللہ عزوجل نے آسمانوں کو شیاطین سے محفوظ رکھا ہے۔ارشاد ہے وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ سورۃ الحجر:۱۷]ہم نے آسمانوں کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا۔آسمان،اللہ عزوجل کا مطیع فرمان بندہ بھی بے جان آسمان کی طرح مطیع وفرماں بردار بن جائے،اپنے سارے اختیارات اللہ عزوجل کے سپرد کر دے تو یقیناً اللہ کریم ایسے بندوں کو شیاطین کے مکر وفریب سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت شیخ جلال الدین تبریزی ان ہی بندوں میں شمار ہوتے

ہیں، جن کا ہر قول وفعل رضائے الٰہی کے موافق تھا۔ اللہ کریم نے ان کو خرافات شیاطین سے محفوظ ومامون رکھا تھا۔

دیوتلا میں مسجد کی تعمیر:

ایک روایت یہ ہے کہ سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے دیوتلا میں ایک خطۂ زمین خریدا تھا۔ ملفوظات شیخ بندہ نواز گیسودراز کے مذکورہ واقعہ میں جس مسجد کی بات کہی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ تبریزی نے اسی مسجد کی تعمیر کے لیے اس خطۂ زمین کو خریدا ہو! اس دعوی پر کوئی حتمی دلیل نہیں ہے، لیکن شیخ تبریزی کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے، یہ کہنا آسان نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے گھر کی تعمیر کسی دوسرے کی دی ہوئی زمین پر کی ہوگی۔

گلزارابرار میں خریداری زمین کے بارے میں لکھا ہے:

"دیومحل میں آبادی سے دور ایک جنگل تھا، وہاں پر ایک جگہ تھی، آپ نے اسے پسند کی، چاہا کہ اس زمین کو خرید لی جائے، جنگل ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی مالک بھی نہیں تھا، لہذا باشندگان شہر نے دلچسپی دکھائی اور منہ مانگی قیمت طلب کی، قیمت کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ شاہی خزانوں کے علاوہ کہیں اور میسر نہیں آسکتی تھی، شیخ تبریزی نے ان کی مانگ قبول فرمائی اور مریدوں کو ارشاد کیا: فلاں جگہ نجاستوں اور گوبروں کا تودہ ہے، اس میں آگ لگادو، چنانچہ تعمیل کی گئی، نجاستوں کا وہ تودہ خالص اور کامل سونا ہوگیا، وہ سونا زمین کی قیمت میں دے دیا گیا، یہ عظیم الشان کرامت دیکھ کر وہاں کے زیادہ تر لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے، آپ کے سلسلۂ بیعت میں آئے، اور دونوں جہان کی کامیابی حاصل کی۔

آناں کہ خاک رابنظر کیمیا کنند   آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند

[گلزارابرار، محمد غوثی شطاری، مرتبہ ڈاکٹر محمد ذکی، خدابخش اورینٹیل پبلک لائبریری، پٹنہ، اشاعت اول ۱۹۹۴ء، ص:۵۶]

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی نے اس خطۂ بنگال میں اپنی روحانی قوت سے اسلام کی اشاعت کی۔ ان کی کرامتوں کو دیکھ کر لوگ جوق درجوق داخل اسلام ہوئے۔ جن علاقوں میں اللہ عزوجل کا کوئی نام لیوا نہیں تھا وہاں مسجد قائم ہوئی، اذانیں دی جانے لگیں۔

دیوتلا میں شیخ جلال الدین تبریزی کے آثار:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ نے دیوتلا میں زمین خریدی، مسجد بنوائی، خانقاہ تعمیر فرمائی۔ اپنے اوقات خلوت وعزلت میں ذکروفکر خدا میں زندگی گزاری، اس زندگی کا عرصہ کتنا دراز تھا؟ ہمیں نہیں معلوم، یہ عرصۂ حیات چھوٹا رہایا بڑا، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمیں ان کا کام دیکھنا چاہیے، وہ یقیناً بڑا تھا اور بہت بڑا تھا، انہوں نے یہاں شمع اسلام روشن کیا۔ مخلوق خدا کو جنات وشیاطین کے مکروفریب سے بچایا، انہیں ظلمت وتاریکی سے نکال کر روشنی ونور میں لاکھڑا کیا، کالے علم کے ذریعہ جبرواستبداد قائم کرنے والوں کو راہ ہدایت دکھایا، بندگان خدا کو پہلی بار اپنے خالق سے ملایا، اونچ نیچ والی زندگی کو ہموار وسپاٹ میدان عطا کیا، لوگوں کو ایک ہی آواز مین جھکنا اور ایک آواز میں گرنا سکھایا۔ ان کی پیشانی کو لذت سجدہ سے اور سینوں کو عشق مصطفی کی ضیاپاشیوں سے چمکایا۔ آج بھی ان کے آثار دیوتلا میں موجود ہیں، ان کی خریدی ہوئی زمین موجود ہے۔ بائیس ہزاری وقف اسٹیٹ، پنڈوہ، مالدہ کے زیر انتظام ہے۔ ان کی تعمیر کردہ مسجد اصل ہیئت قضائی کے ساتھ موجود ہے؟۔ یہ کہنا مشکل ہی نہیں بہت مشکل ہے، البتہ وہاں مسجد وچلہ خانہ ہے، جہاں سے پانچوں وقت صدائے "اللہ اکبر" بلند ہوتی ہے۔

پنڈوہ شریف میں ورود مسعود:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ دیوتلا میں ہزاروں لوگوں کو داخل دائرۂ اسلام کیا، سینکڑوں مسلمانوں کو داخل سلسلہ کیا اور اپنی نگاہ ولایت سے پچاسوں کو سجادہ نشیں کردیا۔ یہاں کا انتظام انصرام ان ہی سجادہ نشینوں کے حوالہ کردیا۔ شیخ جلال الدین تبریزی برستا بادل تھے، ایک جگہ برستے رہتے تو ایک ہی جگہ کے لوگ سیراب ہوتے، انہوں نے جگہ جگہ بارش فیض برسائی، ان گنت جگہوں کو سیرابی بخشی۔ تاریخ نے کچھ جگہوں کی نشاندہی کی اور کچھ جگہوں سے آنکھیں موندلی۔

شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ دیوتلا سے اٹھے، پنڈوہ پہنچے، یا پہلے پنڈوہ آئے پھر دیوتلا پہنچے۔ آپ کا دل جدھر جھکے، اسی

کو درست مانئے، دونوں روایتیں ہیں۔شیخ جلال الدین تبریزی نے پنڈوہ شریف میں بھی بڑا کام کیا، مذہب وملت کی خوب نشرواشاعت کی، کثیر تعداد میں لوگ حلقہ بگوش ہوئے۔خدمت خلق کا اتنا بڑا ریکارڈ بنایا جسے دیکھ کر حکمران وقت بھی متاثر ہوا۔قیام پنڈوہ شریف کے حالات کو سمجھنے کے لیے درج ذیل عبارت کافی روشنی ڈالتی ہے۔

"پنڈوہ راجہ لکھن سین کے دار السلطنت لکھنوتی کے قریب واقع ہے۔آپ کے پنڈوہ قیام فرماتے ہی لوگوں کا مرجوعہ ہوا اور خود راجہ بھی آپ کا معتقد ہوگیا،لیکن آپ نے اس سے کوئی معمولی مالی مدد بھی قبول نہ فرمائی،اگرچہ اس نے ہر چند چاہا کہ خرچ خانقاہ وفقرا کے اخراجات کے لیے کچھ جائداد وزمین نذر کرے، مگر آپ نے اسے منظور نہ فرمایا؛بلکہ بقول صاحب خزینۃ الاصفیا آپ نے خود اپنے روپے سے چند باغ وزمین خرید کر خانقاہ ومسجد تعمیر کرائی اور وہاں مقیم ہوکر خدام ووارد وصادر کے لیے عام لنگر جاری کیا اور اپنی خریدی ہوئی جائداد وقف کیا،جب تک خود مقیم رہے،جائداد کو اپنے انتظام میں رکھا،جب آپ یہاں سے روانہ ہونے لگے تو اس وقف جائداد کو راجہ لکھن سین کے سپرد کرکے راجہ کو متولی بنایا اور کل جائداد موقوفہ کے انتظام وانصرام کا کامل اختیار راجہ کو دے دیا،چنانچہ راجہ آپ کے بعد بحسن وخوبی جائداد موقوفہ کا انتظام کرتا رہا،اب تک یہاں ایک دالان لکھن سین کے نام سے مشہور ہے۔راجہ لکھن سین جب یہاں آتا تو اسی دالان میں بیٹھ کر احکام صادر کرتا۔لکھن سین کے بیٹے لکھمنیا کے زمانہ ۱۲۰۳ء میں جب سلطنت بدلی اور مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو تولیت بھی یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی"۔[تذکرہ حضرت مخدوم سید جلال الدین تبریزی، سید شاہ حسین الدین احمد منعمی،خانقاہ منعمی ابو العلائی،گیا، خواجہ برقی پریس دہلی،سال اشاعت غالباً ۱۹۳۷ء، ص:۱۸]

سیر العارفین میں غالباً شیخ جلال الدین تبریزی علیہ الرحمہ کے قیام پنڈوہ شریف کے تعلق سے ہی لکھا ہے:

"شیخ المشایخ جلال الدین تبریزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں بنگالہ رفت تمام خلائق آں برایشاں رجوع نمود ومرید گشت ،وحضرت شیخ دراں مقام خانقاہ ساخت ولنگر انداخت وچند باغ وزمین بہا خرید وقف آں لنگر گردانید وازاں جا بشِ ترشد"۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی بنگال گئے تو مخلوق [خدا] ان کی طرف متوجہ ہوئی اور مرید ہونے لگی ۔ حضرت شیخ نے وہاں خانقاہ بنوائی اور لنگر جاری کیا ۔ چند باغ اور زمین قیمت دے کر خریدی اور لنگر کے لیے وقف کردی وہ وہاں زیادہ دنوں تک رہے "۔[سیر العارفین مترجم، محمد ایوب قادری، مرکزی اردو بورڈ، گلبرگ، لاہور، سال اشاعت، اپریل ۱۹۷۶ء، ص:۲۵۰، سیر العارفین، فارسی، مطبع رضوی، باہتمام سید میر حسن، سال اشاعت،۱۳۱۱ھ، ج۱، ص۱۷۱]

پنڈوہ شریف میں شیخ جلال الدین تبریزی کے آثار

مصنف خزینۃ الاصفیا نے سرزمین بنگال میں شیخ جلال الدین تبریزی کی تعمیرات وباغات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"شیخ چوں دربنگالہ رسید تمام مخلوق آں دیار بوی آوردند وشیخ درآں جا خانقاہ تعمیر ساخت ومقیم شد،وچند باغ وزمین زر خرید نمود، لنگر عام برائے خدام وخاص وعام وقف کرد، وہزار ہا مسافر ومقیم از خوان نعمت آں کریم نان می خورند"۔

شیخ جلال الدین تبریزی بنگال [پنڈوہ] پہنچے، یہیں مقیم ہوگئے، خانقاہ تعمیر فرمائی، چند باغ اور زمین خریدی، خدام اور خاص وعام کے لیے لنگر جاری کیا۔ہزاروں مسافر ومقیم اس سخی کے خوان نعمت سے کھانا کھاتے تھے"۔[خزینۃ الاصفیا،غلام سرور لاہوری، فارسی، مطبع ثمر ہند، لکھنو، سال اشاعت ۱۲۰۹ھ، ج:۱، ص:۲۸۲]

شیخ جلال الدین تبریزی کی تاریخہائے وصال:

سلطان العارفین شیخ جلال الدین تبریزی کے حالات زندگی کے متعلق کئی الجھنیں ہیں۔یہ الجھنیں ابھی تک الجھی ہوئی ہیں۔شاید ان الجھنوں کی گتھی کبھی سلجھ نہیں پائے گی۔تذکرہ نویسوں نے ان سے معروف سیاح ابن بطوطہ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے، یہ ملاقات ۷۴۶ھ مطابق ۱۳۴۵ء میں ہوئی تھی۔کیا حضرت شیخ تبریزی اس وقت تک باحیات تھے؟ یہ اپنے آپ میں بڑا سوال ہے۔اس کا حل تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔تفصیل ہماری کتاب میں درج ہے۔☆☆☆

فکرِ امروز

صاف پانی: اکیسویں صدی کا اہم مسئلہ

مولانا مبارک حسین مصباحی: چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

اب تک زن، زر، زمین کے نام پر جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ روٹی، کپڑا اور مکان بھی انسانی دنیا کی اولین ترجیح رہی ہے۔ مگر اکیسویں صدی عیسوی کا سب سے حساس مسئلہ پانی ہو گا۔ گلوبل وارمنگ کا یہ خدشہ اب یقین کی منزل میں پہنچنا چاہتا ہے کہ اکیسویں صدی کی عالمی جنگ اگر ہوئی تو صاف پانی کے مسئلہ پر ہو گی۔ درجۂ حرارت میں اضافہ اور کاربن کے اخراج کے بڑھنے سے عالمِ انسانیت کا کارواں خطرے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ انڈین قومی کمیونی کیشن نے فضائی حبس تمازت کے اثرات سے متعلق ابتدائی تجربہ ۲۰۰۴ء میں موسمیاتی تبدیلی پر اقوام متحدہ فریم ورک کنونشن کو پیش کیا تھا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اکیسویں صدی میں بارش کی مقدار اور حرارت میں اضافہ ہو گا۔ رپورٹ مختلف دریاؤں میں بہتے پانی کی کمی، خشکی اور ملک کے مختلف حصوں میں سیلاب کے اضافے کی نشان دہی کرتی ہے۔ بین الحکومتی پینل جو سائنس دانوں اور ماہرین پر مشتمل ہے نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ۱۹۸۵ء سے لے کر کل زمینی سطح کی حرارت کے آلات و اوزار کے ریکارڈ میں گزشتہ بارہ سال میں سے ۱۱؍ سال سب سے زیادہ گرمی کے سال دیکھے گئے ہیں۔ اس رپورٹ میں ہندوستان کے تعلق سے کسی خاص خدشے کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ لیکن ماہرین نے اس تشویش کا اظہار کیا ہے کہ عالمی موسم کی تبدیلی اور ضرر رسانی سے پانی کی قلت والے علاقوں میں پانی کی کمی میں زیادہ شدت پیدا ہو گی۔

۱۲؍ جنوری کو اسلام آباد میں ہونے والی ایک کانفرنس میں ڈاکٹر راجندر کمار پاچوری [جو آئی. پی. سی. سی. کے چیر مین بھی ہیں اور امریکہ کے سابق وائس پریسیڈینٹ الگور کے ساتھ امن کا نوبل انعام حاصل کر چکے ہیں] نے کہا کہ پاکستان اس وقت بڑی تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے، پاکستان میں پانی کے مسائل اس وقت بھی گمبھیر ہیں لیکن مستقبل میں پانی کا حصول دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آب و ہوا کی تبدیلی سے سمندری پٹی پر واقع علاقے زیرِ آب آ جائیں گے۔

اس وقت ہندوستان میں بھی پانی کی قلت کا سخت مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے۔ کم پانی والے علاقوں میں بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ بلکہ بہت سے علاقوں میں زیر زمین پانی میں زہریلے اثرات پیدا ہو گئے ہیں۔ وزارت آبی وسائل کی ایک رپورٹ میں خبر دار کیا گیا ہے کہ اتر پردیش سمیت ملک کی بیش تر ریاستوں میں زیر زمین موجود پانی میں زہریلے کیمیکلز موجود ہیں جن کے سبب یہ پانی پینے کے لائق نہیں رہا ہے اور صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔ رپورٹ کے مطابق اندھا دھند صنعت کاری اور شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے سبب حالات خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں اور اگر جلد ہی اس سلسلے میں سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی تو وہ دن دور نہیں جب عوام کو پینے کے لائق صاف پانی بھی نہیں مل پائے گا۔ پانی میں گھلتے ہوئے زہر کے تعلق سے وزارت آبی وسائل نے جو رپورٹ دی ہے وہ ان تمام خدشات کی بڑی حد تک تصدیق کرتی ہے جو اس سے قبل مختلف سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں، اداروں اور ماہرین کی طرف سے ظاہر کیے جاتے رہے ہیں۔

۱۹۷۰ء میں اس وقت کے امریکی سینیٹر گیلاڈ نیلسن نے

امریکہ میں ہر برس ۲۲/ اپریل کو ارتھ ڈے منانے کا آغاز کیا تھا۔ یہ سلسلہ دوسرے ملکوں میں بھی بڑھتا رہا اور آج دنیا کے ۱۷۵/ ملکوں میں یومِ ارض منایا جاتا ہے۔ دہلی کی وزیر اعلیٰ شیلا دیکشت نے یومِ ارض کے موقع پر اپنی ایک تحریر میں بڑی اچھی بات کہی: "ہم دھرتی ماں کے ساتھ من مانی کرنا جتنی جلدی ہو سکے بند کر دیں، ہم سب کی بھلائی اسی میں ہے۔" بلا شبہہ سچائی یہی ہے کہ آج پوری دنیا گلوبل وارمنگ کے جس سنگین مسئلے سے دوچار ہے، یہ مسئلہ خود انسان ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کا اندازہ آپ گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں اضافے سے متعلق اعداد و شمار سے بھی لگا سکتے ہیں۔ ہم نے ٹرانس پورٹ، صنعت کاری، زراعت اور نئی عمارتوں کی تعمیر میں، برق رفتاری کی دوڑ میں انسانی زندگی کا سکون غارت کر کے رکھ دیا ہے۔ عہدِ حاضر کا انسان اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان تیار کر رہا ہے۔ یہ قرآن کریم کی اس فکر کے عین مخالف ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ [البقرۃ:۱۹۵]

اپنے ہاتھوں خود کو تباہی میں نہ ڈالو۔

ملک کے مختلف علاقوں میں پانی کے لیے ہاہاکار مچی ہوئی ہے۔ پانی کی قلت کا جو مسئلہ شمالی ہندوستان میں در پیش ہے، اب وہی صورت حال جنوبی ہند کی ریاست کرناٹک میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔ کرناٹک کے ۱۷۸/ میں سے ۱۲۴/ بلاک ڈارک زون کی گرفت میں آچکے ہیں اور ۲۹/ میں سے ۱۹/ اضلاع میں پانی کی قلت نے بہت نازک صورتِ حال اختیار کر لی ہے۔ جیسے جیسے گرمی کی شدت بڑھ رہی ہے پانی کی سطح بھی نیچے جا رہی ہے۔ انسانوں کے ساتھ چرند و پرند بھی بے حال ہو رہے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی فراوانی ہوتی ہے تو حضرت انسان اس کی قدر و قیمت نہیں سمجھتا، لیکن جب وہ دائرہ تنگ فرما دیتا ہے تو ہر طرف اضطراب اور بے چینی شروع ہو جاتی ہے اور اس کی نعمت کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے۔ پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ پانی ہی سے اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو وجود بخشا اور پانی ہی کے ذریعہ کاروانِ حیات رواں دواں رہتا ہے۔ پانی کی قلت صرف ایک پانی کا مسئلہ نہیں بلکہ پانی کی کمی سے پورا کاروبارِ حیات دم توڑنے لگتا ہے۔ قرآن عظیم نے پانی کی اہمیت کا فلسفہ اس وقت دنیا کے سامنے پیش کیا تھا جب موجودہ سائنسی تجربات کا وجود نہیں تھا۔ ماہرین آج دنیا کو پانی کے متوازن خرچ کا مشورہ دے رہے ہیں۔ لیکن پیغمبرِ اسلام ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے پانی کے اسراف پر تنقید فرمائی تھی۔ حیات و کائنات میں پانی کی بنیادی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن عظیم فرماتا ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ [الانبیاء:۳۰/ ۱۷]

ترجمہ: اور ہم نے ہر جان دار چیز پانی سے بنائی۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر قرآن کا ارشادِ ناطق ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ [النور:۴۵/ ۱۸]

ترجمہ: اور اللہ نے زمین پر چلنے والے ہر جان دار کو پانی سے پیدا کیا۔

یہ فرحت بخش اور شیریں پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔ وہ جب چاہے اسے کھاری کر دے اور جب چاہے ابلتے چشمے خشک کر دے۔

قرآن عظیم ہماری ناشکری اور حق ناشناسی کے پندار پر ضرب کاری لگاتا ہوا ارشاد فرماتا ہے:

اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ۞ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۞ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ۞ [الواقعہ:۶۸/ ۷۰]

تو بھلا بتاؤ تو وہ پانی جو پیتے ہو، کیا تم نے اسے بادل سے اتارا یا ہم ہیں اتارنے والے، ہم چاہیں تو اسے کھاری کر دیں، پھر کیوں نہیں شکر کرتے۔ پانی اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، ہر جان دار اور بے جان کا انحصار اور مدار پانی پر ہے، جس وقت کچھ نہیں تھا اس وقت بھی پانی تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ .[سورہ

ھود:۷ / ۱۱] ترجمہ: اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

پانی کے بغیر زندگی کا تصور ہی ممکن نہیں۔ انسانی جسم کا دو تہائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ ایک عام انسان کے جسم میں ۳۵/ لیٹر سے لے کر ۵۰/ لیٹر تک پانی ہوتا ہے۔ صرف دماغ کا ۸۵/ فی صد حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ انفیکشن سے لڑنے والے محافظ خلیے خون میں سفر کرتے ہیں، خون بذاتِ خود ۸۳/ فی صد پانی ہے، جسم کے ہر خلیے میں موجود پانی سے جسم کے تمام نظام چلتے ہیں۔

موجودہ سائنسی تحقیق یہ ہے کہ جسم میں پانی کی کمی سے خون گاڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کے بہاؤ میں رکاوٹ آنے لگتی ہے۔ اور پورے جسم تک خون پہنچانے کیلئے دل کو زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ ہائی بلڈ پریشر کی صورت میں جسم میں پانی کی کمی ہونے سے خون کی نالیاں تنگ ہونا شروع ہوتی ہیں۔ اس سے بھی دل کو زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے۔ ”امریکی ریاست کولمبیا کی یونیورسٹی آف ساؤتھ کورولین سے وابسطہ ڈاکٹر مارک ڈیوس کا کہنا ہے۔ کہ ”ہماری پیشتر تکالیف کا تعلق ناکافی غذا کی بجاے ناکافی پانی پینے سے ہے۔“ کیلیفورنیا کی لومالنڈا یونیورسٹی کے شعبہ تحقیق کی سربراہ ڈاکٹر جیکولین نے کہا ہے کہ حسب ضرورت پانی نہ پینا دل کے لیے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ تمباکو نوشی۔ جو افراد پانی کی جگہ مشروبات، چائے، کافی استعمال کرتے ہیں ان میں بھی دل کے دورے پڑنے کے خطرات دو گنا ہوتے ہیں۔

آپ کو پانی کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ کسی قدر ہو گیا ہو گا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانی دنیا اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر کرے، اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرے اور پانی کے بے جا اسراف سے بچے، ہماری عام روش یہ ہے کہ جب پانی وافر مقدار میں میسر آتا ہے تو ہم اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اچھے اور صاف ستھرے پانی کو گندہ کر کے بے مصرف بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بارش کی شکل میں جو پانی برساتا ہے، ہم اس کا بڑا حصہ ضائع کر دیتے ہیں اور جب پانی کی قلت کا مسئلہ کھڑا ہوتا ہے تو سر پکڑ کر روتے ہیں۔ پانی کا انتظام صرف حکومتوں ہی کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ ہماری انسانی اور اخلاقی ذمہ داری بھی ہے کہ اس عظیم نعمتِ الٰہی کی قدر کریں اور اس کا ضرورت بھر استعمال کریں۔ کائناتِ انسانی میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے چھٹی صدی عیسوی میں پانی کے بے جا استعمال پر قدغن لگایا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے: عن ابن عمر قال رأی رسول اللہ ﷺ رجلاً یتوضّأ فَقَالَ لَا تُسرف لا تسرف . [ابن ماجہ، ج:۲، ص:۱۵]

نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا، فضول خرچی مت کرو، فضول خرچی مت کرو۔

ایک اور روایت آقاے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: عن عبد اللّٰہ بن عمراَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَ ھُوَ یَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَا ھٰذَا السَّرْفُ فَقَالَ اَفِی الْوَضُوْءِ اِسْرَافٌ قَالَ نَعَمْ وَ اِنْ کُنْتَ عَلٰی نَھْرٍ جَارٍ. [ابن ماجہ، ج:۲، ص:۶]

حضرت عبد اللہ ابن عمر سے مروی کہ سرکار علیہ السلام سعد کے پاس سے گزرے، وہ وضو کر رہے تھے تو سرکار علیہ السلام نے فرمایا، یہ فضول خرچی کیا ہے۔ سعد نے عرض کیا، کیا وضو میں فضول خرچی ہے؟ فرمایا، ہاں! اگرچہ تم بہتی نہر کے کنارے پر ہی کیوں نہ ہو۔

وضو جو قربِ الٰہی کا ذریعہ اور نماز کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اسلام نے اس میں بھی پانی کے بے جا استعمال سے باز رکھا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام بلا شبہہ عالمِ انسانیت کا عظیم مذہب ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے صحیح استعمال کا قانون بھی ہے اور حقوقِ انسانی کی بھرپور پاس داری بھی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشرے میں پانی

کے بہ قدر ضرورت استعمال کی اہمیت کو عام کریں۔ ہمیں چاہیے کہ بے مقصد پانی کے نل کو کھلا نہ رکھیں، کوئی ٹونٹی ٹپکتی ہو تو اسے صحیح کرائیں، برتن اور کپڑے دھونے کے لیے بڑے برتن کا استعمال کریں۔ ٹنکی کے نیچے برتن اور کپڑے دھونے سے پانی زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اسی طرح نہانے کے لیے بالٹی کا استعمال کریں۔ عام طور پر شاور کے استعمال سے پانی زیادہ ضائع ہوتا ہے۔ مسجدوں میں پہلے وضو کے لیے لوٹے استعمال ہوتے تھے، پر اب عام طور پر ٹونٹی سے وضو کرتے ہیں اس سے بھی پانی کا بے جا استعمال ہوتا ہے۔ جب کہ وضو میں پانی کے اسراف سے تعلق آپ حدیث پڑھ چکے ہیں۔ مسجدوں میں وضو کے لیے حسب سابق نظام کو دوبارہ زندہ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

کاشت کاری اور کھیتی باڑی کے لیے بارش کے پانی کا استعمال کیا جاتا ہے بلکہ بعض علاقوں میں پینے کے لیے بھی بارش کے پانی پر انحصار کیا جاتا ہے۔ مگر اکثر تیز اور زیادہ بارش کا ۵۰ / فی صد حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ حکومتوں کو چاہیے کہ بڑے پیمانے پر چھوٹے چھوٹے ڈیم بنائے جہاں بارش کے پانی کو اسٹور کیا جا سکے، پہاڑوں سے بہہ کر آنے والے پانی کی حفاظت بھی کرنا چاہیے۔ یہ ذمہ داری صرف حکومت ہی کی نہیں ہے بلکہ عام لوگوں اور کاشت کاروں کو چاہیے کہ اپنی زمینوں پر حوض بنائیں یا بڑے بڑے مٹکے کاشت کی زمینوں میں گاڑ لیں۔ بارش کا یہ محفوظ پانی سیر ابی میں بھی معاون ہو گا اور پانی کی نمی خود بخود بھی زمین میں شامل ہوتی رہے گی۔

اسلام نے پانی کی قدر و قیمت کے ساتھ اس کی پاکیزگی پر بھی بہت زور دیا ہے۔ آج میڈیکل سائنس نے صاف پانی کی اہمیت کو محسوس کر لیا ہے تو دنیا گندے پانی کے استعمال کو موت تصور کر رہی ہے۔ عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں روزانہ ایک لاکھ پچیس ہزار افراد گدلے پانی سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ اسلام نے زندگی کے معمولات میں صاف اور پاک پانی کے استعمال کو ضروری قرار دیا ہے، جس طرح پینے کے لیے صاف پانی ضروری ہے، اسی طرح نہانے، دھونے اور پانی کے دیگر استعمالات میں بھی پاک اور صاف پانی کا استعمال ضروری ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ کولر وغیرہ میں پاک اور صاف پانی کا اہتمام نہیں کرتے حالاں کہ کولر سے ہوا کے دوش پر پانی کا ترشح بھی ہوتا ہے جو کپڑوں اور جسموں پر پڑتا ہے اور غیر شعوری طور پر یہ مقدار کافی ہو جاتی ہے، جس سے کپڑے اور جسم ناپاک ہو جاتے ہیں۔ اسلام نے جہاں پاک پانی کے استعمال پر زور دیا ہے، اسی کے ساتھ اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ پانی کو ہر ممکن حد تک ناپاک اور گندہ ہونے سے بچایا جائے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری. [بخاری، ج:۱، ص:۳۷]

تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے نہ بہنے والے پانی میں ہر گز پیشاب نہ کرے۔

امام نسائی روایت فرماتے ہیں: عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قَالَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدَكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ وَلَا يَغْمِسُ يَدَهٗ فِي وَضُوْءِهٖ حَتّٰى يَغْسِلَهَا ثَلٰثًا فَاِنْ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِيْ اَيْنَ بَاتَتْ يَدَه. [سنن نسائی، ج:۱، ص:۴]

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ سرکار ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بے دار ہو تو جب تک اپنے ہاتھ کو تین بار نہ دھو لے وضو کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے، کیوں کہ تم میں سے کسی شخص کو یہ پتہ نہیں کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری۔

پاکیزگی پاک پروردگار کی محبوبیت کا ذریعہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ. [سورہ بقرۃ: آیت ۲۲۲]

بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

اور بہت پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔
میڈیکل سائنس کی تحقیق کے مطابق صاف پانی کے استعمال سے اسہال، معدے اور آنتوں کی خرابی سمیت دیگر کئی جراثیمی بیماریوں سے ۵۰ فیصد تک بچاؤ ممکن ہے۔ اس کے علاوہ صاف پانی انسانی ذہنی و جسمانی نشو ونما میں کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ بچوں کو دودھ اور پھلوں کے رس کی بجائے صاف پانی زیادہ مقدار میں پلانا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے جسم میں موجود اضافی نمک خارج ہونے میں مدد ملتی ہے

اسی کے ضمن میں ہم یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ انسانی زندگی میں جس طرح صاف پانی کی اہمیت ہے اسی طرح پانی پینے کے صحیح طریقے استعمال کرنے سے بھی بہت سی بیماریوں سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ پانی پینے کے اسلامی طریقے سے موجودہ سائنس نے بھی اتفاق کر لیا ہے۔ پانی بیٹھ کر پینا چاہیے، اس سے ضرورت کے مطابق پانی جسم میں جاتا ہے، جب کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے ضرورت سے زائد پانی جسم میں جاتا ہے جو استسقا کا سبب ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس سے معدے اور جگر کی بیماریاں لاحق ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اسی طرح تین سانس میں ٹھہر ٹھہر کر پانی پینا بھی مسنون ہے۔ حضرت ثمامہ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ برتن سے پانی پیتے وقت دو یا تین سانس لیتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح تین سانس لیا کرتے تھے۔ ایک سانس میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے سانس کی نالی میں پانی جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔

اب ہم پانی کے تعلق سے اپنی آخری اور انتہائی اہم بات گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔ آج جب کہ بہت سے ملکوں اور خاکِ ہند کے بہت سے علاقوں میں پانی کے لیے ہاہاکار مچی ہوئی ہے۔ ان حالات میں جن حضرات کی دسترس میں پانی ہو انھیں پیاسوں کو پانی دینے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ ٹلو پمپ لگا کر سپلائی کا پانی کھینچ لیتے ہیں یا اپنا ذاتی پمپ لگا کر اپنے ٹنک بھرے رہتے ہیں اور غریب ایک ایک قطرے کے لیے ترستا رہتا ہے۔ انھیں چاہیے کہ ضرورت مند حضرات کو پانی دینے سے اجتناب نہ کریں۔ اسلام میں پیاسوں کو پانی پلانا انتہائی اہم صدقہ، کارِ ثواب اور ذریعۂ نجات ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے کسی بھی جان دار کو پانی نہ دینے سے منع کیا ہے جب تک کہ پانی کی کمی اپنے لیے ضرر رساں نہ ہو جائے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صدقة الماء من موجبات الجنة.

ترجمہ: پانی کا صدقہ کرنا جنت کو واجب کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔

جب انسان خدائی راستوں سے بھٹکتا ہے اور اپنے خالق و رازق کی نافرمانی کرتا ہے تو پانی اس کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ یہی پانی سیلاب اور شدید بارش کی شکل میں عذابِ الٰہی بھی بن جاتا ہے۔ پانی عذابِ جہنم کی ایک قسم بھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ. [سورہ محمد، آیت:۱۵]

اور انھیں کھولتا پانی پلایا جائے کہ آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔

اسلام اور عصر حاضر کی روشنی میں پانی کی ضرورت و اہمیت اور اس کے صحیح طریقۂ استعمال کے حوالے سے یہ ایک مختصر سی تحریر ہے۔ ہماری دینی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم اسلامی اصولوں اور شرعی تقاضوں سے خود بھی واقف ہوں اور اسلام کا یہ رحمت بھرا پیغام دنیا کے ہر انسان تک پہنچائیں تاکہ دنیا اکیسویں صدی کے چیلنجز کا صحیح حل تلاش کر سکے۔

☆☆☆

چند غلط فہمیاں اور اسلامی نظریات

مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی :نائب مدیر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور بنگال

جس زمانے میں ہم اور آپ اپنی زندگی کے جاں بخش لمحات گزار رہے ہیں یہ خیر القرون سے بہت دور نکل چکا ہے۔ دور رسالت سے لے کر اب تک کئی صدیاں گزر گئی ہیں۔ان گزرتے ایام اور پھسلتے لمحات کے ساتھ ہمارے معاشرے میں بہت ساری ایسی غلط فہمیاں، باطل رسم ورواج،اور توہم پرستیاں درآئیں جن کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں۔وہ توہم پرستیاں، بدفالیاں اور برے افکار وخیالات جو زمانۂ جاہلیت کا حصہ رہا کرتے تھے اور سرکار دوعالم ﷺ جن سے دور رہنے کا تاکیدی حکم فرماتے وہ آج ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں۔ایسے باطل افکار وخیالات، اسلام مزاحم رجحانات اور غلط فہمیوں کی ایک لمبی فہرست ہے، جس کا تفصیلی بیان ایک دفتر کا تقاضا کرتا ہے، تاہم ان میں سے چند غلط فہمیوں کی نشاندہی اور ان کی اصلاح کی کوشش کی جارہی ہے، امید ہے کہ قارئین انھیں پڑھ کر عمل کی کوشش کریں گے۔

[ا] بھلائی اور برائی کا تعلق ستاروں سے سمجھنا:

بعض ناخواندہ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ سعادت ونحوست اور بھلائی و برائی کا تعلق ستاروں سے ہے ؛اسی لیے وہ فال نکالنے والوں کے پاس ستاروں کے ذریعے فال نکلوانے چلے جاتے ہیں، اور اسی پر اعتماد کر لیتے ہیں، مثلا فال نکالنے والا اگر کسی کے بارے میں یہ کہ دیں کہ تمھارا ستارہ گردش میں ہے ،اس لیے اب جو کام تم شروع کروگے ،اس میں خسارہ ہی ہوگا، اسی طرح تم اگر شادی کروگے تو اس میں برکت نہیں ہوگی وغیرہ، تو اس پر یقین کر بیٹھتے ہیں۔

اس طرح کے باطل افکار وخیالات ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتے۔ یہ ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہیں۔دلیل یہ ہے کہ موثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالی ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے اور اسی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔اس کی مرضی اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔اور بندہ کو جو بھی بھلائی یا برائی پہنچتی ہے وہ اس کا مقدر ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے[البروج/ ۱۶]

سورۂ آل عمران میں ہے:

وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ ساری بھلائیاں تیرے ہی دست قدرت میں ہیں ،بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔[آل عمران/۲۶]

صحیح مسلم میں ہے:

”اربع فی امتی من امر الجاھلیة لایترکونھن، الفخر فی الاحساب،والطعن فی الانساب ، والاستسقاء بالنجوم، والنیاحة“

ترجمہ: زمانۂ جاہلیت کے کاموں میں سے چار کام میری امت میں ایسے ہوں گے جنھیں وہ چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں گے :
[ا]حسب[خاندانی شرافت]کی بنا پر فخر کرنا۔[۲]کسی کے نسب میں طعنہ زنی کرنا۔[۳] ستاروں کے ذریعے بارش طلب کرنا۔[۴]میت پر نوحہ کرنا۔[صحیح مسلم،کتاب الجنائز،باب النھی عن الفخر بالاحساب،والطعن فی الانساب الخ،ج:۱،ص:۳۰۳]

فال نکالنے والوں کے پاس فال نکالنے جانا بھی ممنوع ہے۔ حدیث پاک کی روشنی میں ایسے آدمی کی چالیس رات کی عبادت برباد ہوجاتی ہے، یعنی ثوب نہیں ملتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

”من اتی عرافا فسالہ عن شیء لم تقبل لہ

صلاۃ اربعین لیلۃ"۔[صحیح مسلم ،کتاب السلام ،باب تحریم الکھانۃ واتیان الکھان، ج:۲، ص:۲۳۳]]

اس حدیث پاک کی تشریح میں امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اما عدم قبول صلاته فمعنا ہ انه لا ثواب فیھاو ان کانت مجزئة فی سقوط الفرض عنه و الا یحتاج معھا الی اعادۃ.

ترجمہ:اس کی نماز کے قبول نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ اسے نماز میں ثواب نہیں ملے گا، ہاں فرضیت ادا ہوجائے گی۔ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا:

"مسلمان مطیع [یعنی اطاعت گزار مسلمان] پر کوئی چیز نحس [منحوس] نہیں اور کافروں کے لیے کچھ سعد [مبارک] نہیں۔۔۔ باقی کواکب [ستاروں] کی کوئی سعادت ونحوست نہیں۔ اگران کو خود موثر جانے مشرک ہے ،اور ان سے مدد مانگے تو حرام،اور ان کی رعایت ضرور خلاف توکل ہے"[فتاوی رضویہ، ج:۲۲، ص:۲۲۳، ۲۲۲]

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

"نجومیوں کی اس طرح کی باتیں جن میں ستاروں کی تاثیر بتائی جاتی ہیں کہ فلاں ستارہ طلوع ہوگا تو فلاں بات ہوگی، یہ بھی بے شرع ہے۔ اسی طرح نچھتروں کا حساب کہ فلاں نچھتر سے بارش ہوگی یہ بھی غلط ہے۔ حدیث پاک میں اس پر سختی سے انکار فرمایا"[بہار شریعت، ج:۳، ح:۱۶، ص:۶۵۹، مکتبۃ المدینہ]

[۲]بلی راستہ کاٹ جائے تو بدشگونی لینا اور سفر ترک کر دینا:

کوئی شخص کسی مقصد کے تحت سفر کے لیے نکل رہا ہو اور راستے میں سامنے سے بلی گزر جائے تو لوگ اسے راستہ کاٹنا بولتے ہیں۔ بہت سارے لوگ بلی کے گزر جانے کے بعد سفر کا ارادہ ترک کر دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمیں سفر نہیں کرنا چاہیے، ورنہ راستے میں کوئی حادثہ یا نقصان ہوسکتا ہے۔ یہ ایک جاہلانہ اور غلط خیال ہے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

[۳]کوّا کا بولنا:

کوا اگر گھر کی دیوار یا چھت وغیرہ پر بار بار کائیں کائیں کی آواز بلند کرے تو بعض لوگ اسے کسی مصیبت کی آمد یا کسی کی موت کا اعلان سمجھتے ہیں۔ یعنی کوا کے بول کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس سے بدشگونی و بدفالی لیتے ہیں۔ یہ بھی بے مطلب ہے۔ اسی طرح بعض علاقوں میں اسے مہمان کی آمد کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے ، یہ خیال بھی عبث ہے۔

[۴]کسی آنکھ کا پھڑکنا:

کچھ جگہوں میں ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ مرد کی دایاں اور عورت کی بایاں آنکھ پھڑکنے لگے تو یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی مصیبت ، دکھ یا تکلیف آنے والی ہے۔ اور اگر اس کے خلاف مرد و عورت کی دوسری آنکھ پھڑکنے لگے تو اس کو کسی خوشی یا بشارت کی جانب اشارہ سمجھتے ہیں۔

[۵]جھاڑو سے مارنا:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپسی ہنسی مذاق یا تفریح میں کوئی شخص کسی کو جھاڑو سے مارتا ہے، یا جھاڑو بدن سے مس ہوجاتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ جس کو مارا گیا اس کی صحت گر جائے گی۔

[۶]ہاتھ کی ہتھیلی اور پاوں کے تلوے کی کھجلاہٹ سے بد شگونی لینا:

بعض جگہوں میں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی میں کھجلاہٹ پیدا ہو تو مال و دولت ملنے کی علامت ہے اور اگر تلوے میں ہو یا جوتے پر جوتے چڑھ جائیں تو سمجھتے ہیں کہ کوئی سفر در پیش ہونے والا ہے۔

[۷]شادی کے دن برتن کا ٹوٹنا:

شادی کے پہلے دن یا پہلی رات اگر دلہن کے ہاتھ سے برتن گر کر ٹوٹ جائے تو اس سے بھی بدفالی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دلہن کی آمد اس گھر کے لیے بہتر نہیں ہے۔

[۸]یہ سمجھنا کہ رات میں جھاڑو لگانے سے گھر کی برکت چلی جاتی ہے۔

[۹] یہ خیال کہ رات میں کسی کو رقم نہیں دینا چاہیے، اس سے مال و دولت اور نعمتوں میں کمی آتی ہے۔

[۱۰] جس عورت کا بچہ نہ ہوا سے منحوس سمجھنا۔

[۱۱]حیض و نفاس والی عورت کو چھوت سمجھنا۔

[۱۲]کچھ مخصوص جانوروں کے نام سے بد شگونی لینا:

کہیں کہیں صبح کے وقت کسی مخصوص جگہ، چیز یا کسی خاص جانور کے نام لینے کو منحوس اور برا سمجھتے ہیں۔ جیسے الو کو منحوس سمجھنا ہمارے

دیار میں عام ہے۔

[۱۳] کچھ مخصوص ایام اور مہینوں کو منحوس سمجھنا:

بعض لوگ سال کے کچھ مہینوں مثلاً محرم الحرام اور صفر المظفر میں یوں ہی کچھ ایام مثلاً ۲۳، ۱۳، ۳۔ اور ۲۸، ۱۸، ۸ میں شادی بیاہ اور خوشی کے کام کے لیے نامناسب اور برا سمجھتے ہیں حالاں کہ یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں۔ کافروں اور غیر مسلموں کی توہم پرستیاں ہیں۔ اسلام میں ایسا کچھ نہیں۔

[۱۴] شام میں مرغے کا بانگ دینا:

شام کے وقت اگر مرغا گھر میں بانگ دے بعض جگہوں میں لوگ اس سے بھی بد شگونی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے زندہ رکھنا ہمارے حق میں بہتر نہیں ہے، اس لیے بہت جگہوں میں اسے فورا ذبح کر دیا جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے۔

شگون کا معنی فال لینا ہے یعنی کسی چیز، شخص، عمل، آواز یا وقت کو اپنے حق میں اچھا یا برا سمجھنا۔ بنیادی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں

[۱] اچھا شگون لینا [۲] برا شگون لینا۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

"اچھا شگون یہ ہے کہ جس کام کا ارادہ کیا ہو اس کے بارے میں کوئی کلام سن کر دلیل پکڑنا جب کہ کلام اچھا ہو اگر برا ہو تو بد شگونی ہے۔ [تفسیر قرطبی، پ:۲۶، الاحقاف، تحت آیت:۴، ج:۸، ص:۱۳۲]

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ بد شگونی لینا شریعت میں ناجائز وحرام ہے، جب کہ اچھا شگون لینا مستحب۔ اچھا شگون لینا سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا طریقہ ہے اور بد شگونی غیر مسلموں کا شیوہ۔ اچھا شگون لینے سے اللہ تعالی کے رحم وکرم سے اچھائی اور بھلائی کی امید ہوتی ہے، جب کہ بد شگونی سے ناامیدی پیدا ہوتی ہے۔ بد شگونی و بد فالی دور جہالت کی وہم پرستی اور بداعتقادی ہے۔ جب سرکار دو جہاں ﷺ کا زمانہ آیا تو آپ نے سختی سے منع فرمایا۔

بد شگونی و بدفالی سے قرآن نے بھی منع فرمایا اور احادیث مبارکہ میں بھی ممانعت موجود ہے۔ قرآن کریم میں بد شگونی کے معنی میں نحس اور طیرہ کے کلمات آئے ہیں، چند آیات یہ ہیں:

رب کریم کا ارشاد ہے:

إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝١٩ تَنزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ۝٢٠

ترجمہ: بے شک ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیجی ایسے دن میں جس کی نحوست ان پر ہمیشہ کے لیے رہی، جو لوگوں کو ایسے ہی مارتی تھی، گویا وہ جڑ سے اکھڑے ہوئے کھجور کے سوکھے تنے ہوں۔ [القمر/۲۰،۱۹]

سورۂ حم سجدہ میں ہے:

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝١٦

ترجمہ: تو ہم نے ان پر منحوس دنوں میں خوف ناک آواز والی آندھی بھیجی تاکہ ہم انھیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو زیادہ اہانت آمیز ہے، اور ان کی مدد نہیں ہوگی۔ [حم/۱۶]

سورہ اعراف میں ہے:

فَإِذَا جَاءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَٰذِهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ ۗ أَلَا إِنَّمَا طَائِرُهُمْ عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝١٣١

ترجمہ: تو جب انھیں کوئی بھلائی ملتی تو کہتے یہ ہمارے لیے ہے اور جب برائی پہنچتی تو موسی اور ان کے ساتھ والوں سے بد شگونی لیتے، سنو! ان کے نصیبہ [مقدر] کی شامت تو اللہ کے یہاں ہے لیکن ان میں سے اکثر کو خبر نہیں۔ [الاعراف/۱۳۱]

سورہ یاسین میں ہے:

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ۝١٦ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝١٧ قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝١٨ قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ ۚ أَئِن ذُكِّرْتُم ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝١٩

ترجمہ: وہ بولے ہمارا رب جانتا ہے کہ بے شک ضرور ہم تمھاری طرف بھیجے گئے ہیں، اور ہمارے ذمہ تو صرف صاف پہنچا دینا ہے، بولے ہم تمھیں منحوس سمجھتے ہیں، بے شک تم اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم تمھیں سنگسار کریں گے اور ہمارے ہاتھوں تمھیں دکھ کی مار پڑے گی، انھوں نے فرمایا: تمھاری نحوست تو تمھارے ساتھ

ہے۔کیااس پر بدکتے ہوکہ تم سمجھائے گئے بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔[یاسین/ ۱۹،۱۸،۱۷،۱۶]

ابتدائی دو آیتوں میں نحس کا کلمہ آیا ہے۔ان آیات میں قوم عاد پر عذاب کے دنوں کو منحوس قرار دیا گیا ہے۔اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے کہ قوم عاد پر عذاب بدھ کے دن آیا تھا اور وہ اس دن کو منحوس کہتے تھے،اس کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسی نے لکھا:

”میں کہتا ہوں تمام ایام برابر ہیں اور بدھ کا دن نحوست کے لیے خاص نہیں،ان پر عذاب ان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ سے آیا تھا نہ کہ بدھ کے دن کی وجہ سے،اور ہر گزرنے والی ساعت کسی شخص کے لیے اچھی اور مبارک ہوتی ہے اور وہی ساعت دوسرے شخص کے لیے بری اور منحوس ہوتی ہے اور ہر دن کسی شخص کے لیے خیر اور دوسرے کے لیے شر ہوتا ہے۔[یعنی ایک ہی دن کہیں جنازہ اٹھتا ہے اور کہیں شادیانے بج رہے ہوتے ہیں۔]نحوست یا ناساز گار ہونے کا تعلق زمانے سے نہیں ہوتا،بلکہ افراد کے مقدر کے اعتبار سے ہوتا ہے،اور اگر کسی شخص پر عذاب یا کوئی مصیبت نازل ہونے کی وجہ سے بدھ کا دن منحوس ہے تو ہر دن بلکہ ہر ساعت میں کسی نہ کسی شخص پر کوئی نہ کوئی مصیبت اور بلا نازل ہوتی ہے،اس طرح تو تمام ساعتیں منحوس قرار پائیں گی۔[روح المعانی،ج:۲۷،ص:۸۶]

آخری دو آیتوں میں کافروں نے بالترتیب دعوت حق دینے والوں اور حضرت موسی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی طرف نحوست کی نسبت کی،تو انھیں جواب دیا گیا کہ تمھاری نحوست، تمھاری بداعمالیوں کے سبب اللہ تعالی کے یہاں مقدر ہے۔

ان آیات سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ اپنی بداعمالی،نقصان اور برائی کا ذمہ دار دوسروں کو سمجھنا اور بدشگونی لینا جائز نہیں ہے،جس کے ساتھ جو ہوتا ہے وہ اس کا مقدر ہے۔رب کے حکم سے ہوتا ہے۔کسی شخص،چیز اور کسی وقت وغیرہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا غلط ہے۔

صحیح بخاری میں ہے:

”عن ابن عمر رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم :لاعدوی ولا طیرۃ.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:بیماری بذات خود متعدّی نہیں ہوتی،اور بدشگونی کی کوئی اصل نہیں۔[صحیح البخاری کتاب الطب، باب الطیرۃ،حدیث:۵۷۵۳]

اسی میں ہے:

”عن ابی هریرۃ رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ وعلیه وسلم قال:لاعدوی ولا طیرۃ ولا هامة ولاصفر“

ترجمہ:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:چھوت چھات ،بدشگونی لینے،الو کو منحوس سمجھنے اور صفر کے مہینے کو منحوس سمجھنے کی کوئی حقیقت نہیں[یہ سب باطل خیالات ہیں][مصدر سابق]

اور المعجم الکبیر میں ہے:

سرکار دو جہاں ﷺ نے بدفالی لینے والوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہوے فرمایا:”لیس منا من تطیر ولاتطیرله“ ترجمہ:وہ ہم میں سے نہیں[ہمارے طریقے پر نہیں]جس نے بدشگونی لی یا جس کے لیے بدشگونی لی گئی۔[المعجم الکبیر،۱۸/ ۱۶۲،حدیث:۳۵۵]

مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہے کہ بدشگونی وبدفالی لینا جائز نہیں۔ہاں اس کے برعکس کسی چیز سے نیک فال لینا جائز ہے اور احادیث مبارکہ سے ثابت بھی:

صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال :لاعدوی ولا طیرۃ،ویعجبنی الفال،قالوا:وما الفال، قال: کلمة طیبة۔

ترجمہ:نبی کریم ﷺ سے مروی ہے : بیماری بذات خود متعدّی نہیں ہوتی،اور بدفالی کی کوئی اصل نہیں البتہ نیک فال لینا میرے نزدیک بہتر اور پسندیدہ ہے،صحابہ کرام نے پوچھا:نیک فال کیا ہے؟فرمایا: اچھی بات[صحیح مسلم، کتاب السلام ،باب الطیرۃ والفال الخ،ج:۲،ص:۲۳۱]

اسی میں ہے: ”لاعدوی ولا هامة ولا طیرۃ واحب الفال الصالح“.

ترجمہ بذات خود بیماری کے دوسرے کو لگنے،الو کو منحوس سمجھنے اور برا فال لینے کی کوئی حقیقت نہیں ،ہاں میں نیک فال کو پسند کرتا

ہوں۔[مصدر سابق]

سبل الہدی والرشاد میں ہے:

"جب صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمرو قریش مکہ کے نمائندہ کے طور پر مذاکرات کے لیے آیا تو سرور دو جہاں ﷺ نے اس کے نام سے نیک فال لیتے ہوئے فرمایا تمھارا کام آسان ہوگیا ہے،[سہیل کا مادہ سہل ہے جس کا معنی: آسانی ہے۔اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے سفر ہجرت کے موقع پر کفار مکہ نے آپ کو گرفتار کرنے والے کے لیے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا، بریدہ انعام کی لالچ میں قریش کے ستر شہ سواروں کے ساتھ روانہ ہوا اور راستے میں آپ تک جا پہنچا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: تم کون ہو؟ جواب دیا: بریدہ ،آپ نے اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ہمارے معاملے میں ٹھنڈک مقدر ہوگئی[بریدہ برودۃ سے ہے اور برودۃ کا معنی: ٹھنڈک]پھر آپ نے پوچھا: تمھارا خاندان کیا ہے؟اس نے کہا: اسلم ،اس پر آپ نے فرمایا: ہمیں سلامتی مل گئی [کیوں کہ اسلم کا مادہ سلم ہے، جو سلامتی کے معنی میں ہے]پھر آپ نے پوچھا تمھارا قبیلہ کیا ہے؟جواب آیا؛ بنو سہم ،آپ نے فرمایا: تمھارا تیر نکل گیا،[سہم کا معنی: تیر]چناں چہ بریدہ اور اس کے سب ساتھی اسلام لے آئے"۔[سبل الہدی والرشاد، ج:۹؛ص:۳۵۶]

مذکورہ عبارت سے عیاں ہے کہ نیک فالی جائز ہے ، نیز نیک فالی کے اندر برکتیں بھی ہیں، جیسا کہ عبارت سے واضح ہے۔اس کے برخلاف بدفالی کا کوئی ثبوت نہیں،اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے بلکہ الٹے دنیا وآخرت دونوں میں نقصان ہی نقصان ہے۔اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی حکم عدولی اور دارین کی سعادتوں سے محرومی کے ساتھ ساتھ کچھ نقصانات یہ ہیں:

بدشگونی وبدفالی کے نقصانات:

[۱]بدشگونی کے شکار ہونے والوں کا تقدیر پر ایمان کمزور ہونے لگتا ہے[۲] اللہ تعالی پر توکل کمزور ہوجاتا ہے۔[۳] اللہ عزوجل کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے[۴]شیطانی وسوسوں کا دروازہ کھلتا ہے[۵]بدفالی سے آدمی کے اندر توہم پرستی، بزدلی، ڈر اور خوف، پست ہمتی اور تنگ دلی پیدا ہوتی ہے[۶]ناکامی کے بہت سارے اسباب و وجوہات ہوسکتے ہیں، لیکن بدشگونی کا عادی شخص اپنی ناکامی کا سبب نحوست کو قرار دینے کی وجہ سے اپنی اصلاح سے محروم رہ جاتا ہے وغیرہ۔

بدشگونی وبدفالی کا علاج:

جب کسی کو بدشگونی وبدخیالی آئے تو اس کا علاج یہ ہے کہ فورا اس سے توجہ ہٹائے اور رب کی بارگاہ میں خالص توبہ کرکے اپنا ایمان مضبوط کرے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:"مااصابك لم يكن ليخطئك وما اخطاك لم يكن ليصيبك". ترجمہ: جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تم سے ٹل نہیں سکتی تھی اور جو ٹل گئی وہ تم پر آنہیں سکتی تھی۔[سنن ابوداؤد، حدیث:۴۷۰۰]

اس کے علاوہ درج ذیل دو دعائیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں جو بالترتیب مصنف ابن ابی شیبہ اوراور سنن ابوداؤد میں مرقوم ہیں:

"اللهم لا خير الا خيرك ولا طير الا طيرك ولا اله غيرك".

ترجمہ: اے اللہ تیری دی ہوئی بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں اور تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون نہیں اور تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔[مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الدعاء، باب مایقول الرجل اذا نعق الغراب، ج:۷، ص:۱۴۲،حدیث:۱]

اللهم لاياتي بالحسنات الا انت،ولا يدفع السيآت الا انت، ولا حول ولا قوة الا بك

ترجمہ: اے اللہ توہی بھلائیاں عطا کرتا ہے اور توہی برائیوں کو دفع فرماتا ہے ،نیکی کرنے کی قوت اور برائیوں سے بچنے کی طاقت تیری ہی بارگاہ سے ملتی ہے۔[سنن ابوداود، کتاب الطب، باب فی الطیرۃ، حدیث:۳۹۱۹]

رب قدیر ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے اور ہر برائی سے بچائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

☆ ☆ ☆

تجزیہ

لو جہاد پر لکھی گئی دو کتابوں کا تجزیاتی مطالعہ

مولانا محمد عابد چشتی: استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

love جہاد پر لکھی گئی دو کتابیں اس وقت ہمارے مطالعے کی میز پر موجود ہیں جس میں ایک کتاب کا نام "**ایک مکھوٹا ایسا بھی**" ہے، جس کی مصنفہ "**ڈاکٹر وندنا گاندھی**" ہیں، جن کا تعلق ایم پی (مدھیہ پردیش) سے ہے، اس کتاب کو "ارچنا پرکاشن بھوپال" نے شائع کیا ہے۔ جبکہ دوسری کتاب کا نام "**انچاہا لو جہاد**" ہے، جس کو ایک مسلم خاتون "**صباحت انصاری**" نے تحریر کیا ہے۔ دونوں کتابوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں کتابیں افسانوی انداز میں لکھی گئی ہیں اور دونوں کتابوں کو پڑھنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دونوں کتابوں کی مصنفہ کہیں نہ کہیں "لو جہاد" کو حقیقت کے روپ میں دیکھتی ہیں، انہیں لگتا ہے کہ "لو جہاد" ہوتا بھی ہے اور مسلم نوجوان لو جہاد کرتے بھی ہیں۔ ہم ان دونوں کتابوں کا منصفانہ تجزیہ آپ کے سامنے رکھنا چاہیں گے، فیصلہ کا حق آپ کو اور آپ کے ضمیر کو ہے۔

"ایک مکھوٹا ایسا بھی":

ڈاکٹر وندنا گاندھی کی لکھی ہوئی یہ کتاب دراصل ۱۵؍ کہانیوں اور افسانوں کا مجموعہ ہے، جس کے متعلق مصنفہ کا دعویٰ ہے کہ یہ ساری کہانیاں حقیقت اور سچائی پر مبنی ہیں۔ ان کہانیوں میں مصنفہ نے "لو جہاد" کا شکار ہونے والی لڑکیوں کی "آپ بیتی"، ان کے ساتھ پیش آنے والی وارداتیں اور مسلم نوجوانوں کے جھوٹے پیار، دھوکا اور اپنے مذہب کے لیے دوسروں کی زندگی کو جہنم بنا دینے والی "سازشوں" سے پردہ اٹھایا ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مصنفہ نے اپنے اس پورے مجموعہ میں کسی بھی کہانی کا حوالہ دینے اور اس کے ٹھوس ثبوت فراہم کرنے کی کہیں بھی ضرورت محسوس نہیں کی ہے، اور اس ایک کمی نے پوری کتاب کی استنادی حیثیت کو شک کے دائرے میں لا کر کھڑا کر دیا ہے، جس کے چلتے اب یہ کتاب "حقیقت کی ترجمانی" کرنے کی بجائے محض "تفریحی افسانہ" بن کر رہ گئی ہے، ایک ایسا افسانہ جس کے ذریعہ قارئین تھوڑی دیر کے لیے کسی دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں مگر اس کے پیچھے حقیقت کا نام و نشان تک نہیں ہوتا ہے، سارے کردار اور کہانی کا پورا پلاٹ فرضی ہوتا ہے۔

"لو جہاد" کے موضوع پر لکھنا اپنے میں ایک بڑا کام ہے، خاص طور سے ایک ایسا موضوع جس کا بلاواسطہ اثر کسی خاص فرقے یا مذہب پر پڑتا ہو تو معاملہ اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، جس کے چلتے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایسے موضوع پر لکھنے سے پہلے ٹھوس ثبوت اور مضبوط دلائل اکٹھے کیے جائیں اور پوری احتیاط کے ساتھ شواہد و دلائل کی روشنی میں اپنے قلم کو آگے بڑھایا جائے۔ تاکہ ان دلائل اور شواہد کی روشنی میں قاری اطمینان کے ساتھ کسی نتیجے پر پہنچ سکے اور اپنی رائے قائم کر سکے۔ مگر ڈاکٹر وندنا گاندھی کی پوری کتاب میں کسی منصف مزاج شخص کے لیے "لو جہاد" کے مسئلے پر رائے قائم کرنے کے لیے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جسے بنیاد بنا کر وہ لو جہاد کے مسئلے پر مصنفہ کی فکری تائید کر سکے یا پھر اپنی کوئی الگ رائے قائم کر سکے۔

ڈاکٹر وندنا گاندھی نے ۲۵؍ سال کے طویل عرصے کے بعد "لو جہاد" جیسے سنگین موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اس قدر طویل عرصے تک تحریر و قلم سے دور رہنے کا احساس ان کی تحریر کے بین سطور سے صاف جھلکتا ہے۔ لو جہاد پر مبنی ان کہانیوں کا کوئی قابل قبول ثبوت نہ دینے کی وجہ سے جو عدم اعتبار کا خلا پیدا ہوا ہے وہ اپنی جگہ ہے، اس کے علاوہ ان کہانیوں کا مطالعہ کرتے وقت ایک سے زائد مقامات پر مصنفہ کی "بچکانہ ذہنیت" کا بھی پتہ چلتا ہے اور صاف صاف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کہانی کا پلاٹ "گڑھنے" سے پہلے شاید "وندنا جی" نے اچھی طرح "ہوم ورک" نہیں کیا تھا ورنہ اس قدر سطحی باتیں ان کے نوک قلم سے نہ نکلتیں۔ کتاب کی پہلی کہانی جس کا عنوان ہے "**دھرم یدھ**" یہ کہانی ہماری پیش کردہ معروضات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ایک غیر مسلم لڑکی اپنے ماں باپ کا پیار نہ ملنے

کے چلتے کالج میں "سونو" نام کے لڑکے سے پیار کرنے لگتی ہے اور سونو کے ساتھ اس کی محبت کا ناٹک چلنے لگتا ہے۔ پارکوں میں گھومنا، ہوٹلوں پر جانا، شاپنگ، فلم اور تحفہ تحائف سے اس کی الماری بھر جاتی ہے اور آخر میں وہی ہوتا ہے جو دو عاشق جوڑے کرتے ہیں۔ یہ لڑکی سونو کے ساتھ بھاگ کر کسی مندر میں شادی کر لیتی ہے، شادی کے چند دنوں کے بعد اچانک لڑکی کو لگتا ہے کہ اس کا شوہر "سونو" کا رویہ کچھ بدلا بدلا سا ہے، اور اب مندر یا پوجا کے نام سے وہ بچتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ لڑکی اس سلسلے میں اپنے شوہر سے سیدھی بات کرنا پسند کرتی ہے اور اپنی بات اس کے سامنے رکھتی ہے۔ اس کے بعد سونو کا اصل چہرہ کھل کر سامنے آتا ہے اور وہ صاف صاف بتا دیتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور تمہیں بھی اب مسلمان ہونا پڑے گا اور یہ کہ اس پر خرچ کیے گئے سارے پیسے، بائک، اس کا پٹرول، تحفے تحائف یہ سب غیر ملکی پیسوں کی بدولت تھا۔ اس کا اصل نام "حسین" ہے۔

کہانی کے اس حصے تک ڈاکٹر وندنا گاندھی نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح مسلم نوجوان منصوبہ بند طریقے سے غیر مسلم لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں اور کس طرح دیگر ممالک سے انہیں پیسے فراہم کیے جاتے ہیں۔ مگر کہانی کا اگلا حصہ وندنا جی کے اس فرضی پلاٹ پر کئی سوالیہ نشان کھڑے کر دیتا ہے، دیکھیں:

> "حسین" اپنا تعارف کرانے کے بعد مزید چونکا دینے والے انکشافات کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ تمھاری سہیلی "سندھیا" وہ بھی "رستم" کے جال میں پھنسی ہے اور "بنٹی" نام کا جو لڑکا "پوجا" نام کی لڑکی کے ساتھ محبت کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہے وہ دراصل "بنٹی" نہیں بلکہ "ذیشان" ہے اور یہ کہ یہ ساری لڑکیاں ہماری شکار ہیں اور ہم "لو جہاد" کر رہے ہیں"۔

کہانی کے اس آخری حصے میں کس قدر "بچکانہ پن" جھلک رہا ہے وہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ "حسین" جس کا تعلق غیر ملکی تنظیموں سے تھا اور ان کے اشارے اور پیسوں پر یہ اندر ہی اندر "لو جہاد" جیسی انتہائی حساس اور خفیہ سرگرمی چلا رہا تھا، مگر کہانی کے اس موڑ پر پہنچ کر حسین کی ساری عقل ماری جاتی ہے اور وہ نہ صرف اپنے خفیہ مشن کے بارے آسانی سے "سب کچھ" بتا دیتا ہے بلکہ بغیر کسی زور زبردستی کے اپنے دیگر جہادی ساتھیوں کے نام بھی اجاگر کر دیتا ہے۔ اور ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ ہم دادی نانی کی کہانی کی طرح بلا چون و چرا ہر بات سنتے جائیں اور تسلیم کرتے چلے جائیں، چاہے وہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔

میں ڈاکٹر وندنا گاندھی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کوئی شخص اپنے انتہائی خفیہ مشن، حساس سرگرمی اور اس پر کام کرنے والے لوگوں کے نام اتنی آسانی سے بتا دیتا ہے؟۔ اگر "لو جہادی" غیر ملکی طاقتوں کے اشارے پر اپنی مہم چلاتے ہیں تو کیا انہیں اتنا بے وقوف مانا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف خود کی سازش سے پردہ اٹھا دے گا، بلکہ شہر میں کام کر رہے اپنے دیگر ساتھیوں کی بھی آرام سے نشاندہی کر دے گا، تاکہ سامنے والا ۱۰۰ نمبر ڈائل کرے اور پولیس کو پوری اطلاع دے کر انہیں سلاخوں کے پیچھے ڈال دے۔ ایک معمولی چور بھی اتنی جلدی اپنا جرم اور اپنے ساتھیوں کے نام نہیں اگلتا ہے۔ مگر وندنا جی کی کہانی کا ہیرو "حسین" اس قدر بے وقوف اور بھولا ہے کہ عالمی سطح کے "جہادی مشن" کا بھانڈا وہ خود ہی بڑی آسانی کے ساتھ پھوڑتا ہوا نظر آ رہا ہے۔

میرے خیال سے ڈاکٹر وندنا گاندھی جی اتنا تو سمجھتی ہی ہوں گی کہ دشمن خاص طور سے نام نہاد جہادی مرنا تو پسند کرتا ہے مگر اپنے مشن کا سراغ نہیں دیتا ہے، اور نہ ان لوگوں کا پتہ دیتا ہے جو اس کے مشن میں تعاون کرتے ہیں۔ پھر بھی وندنا جی نے کہانی کے آخری حصے میں جہادیوں کو اس قدر بے وقوف دکھایا ہے کہ جو خود ہی اپنی پول کھولتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ یہاں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یا تو وہ جہادی اول درجہ کا پاگل تھا یا پھر وندنا جی......................

خیر! کہانی کے اس حصے سے وندنا جی کے سارے دعوے دھڑام سے نیچے آ جاتے ہیں، اور ایک عقل مند اور سوجھ بوجھ رکھنے والا قاری خود ہی سمجھ لیتا ہے کہ پیش کردہ کہانی صرف ایک کہانی ہے، جس میں قلم کے زور سے رنگ بھرنے کی کوشش کی گئی ہے، اسے بطور حقیقت

تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جو جہادی ہوگا وہ اپنے مذہب سے اتنا دور کیسے ہوگا کہ پوجا پاٹ بھی کرنے لگے، مندر میں بھی جانے لگے، جو مندر میں جا کر پوجا کرے وہ مسلمان ہی نہیں ہو سکتا، یہ اسلام کا اٹل فیصلہ ہے اس سے بھی اس واقعے کے محض افسانہ ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

ہندوستانی سماج میں دھوکہ دہی، فریب، چالاکی اور مطلب پرستی کے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں، اس فطرت کے انسان ہر جگہ اور ہر مذہب میں ہوتے ہیں، اور ان کے کارناموں کو اسی نظر سے دیکھنا بھی چاہیے۔ مسلم لڑکیوں کے ساتھ سینکڑوں ایسے حادثات پیش آتے ہیں، جب انہیں کوئی ہندو لڑکا دھوکا دیتا ہے، اس کے ساتھ چھل کرتا ہے اور فریب سے کام لیتا ہے۔ اور اس کے برعکس ہندو لڑکیوں کے ساتھ بھی بہت سے مسلمان کہلانے والے نوجوان اس طرح کی حرکت کر ڈالتے ہیں، مگر یہ پورا معاملہ صرف انفرادی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اور اگر اب بھی کسی کو اس بات پر اصرار ہے کہ ایسے معاملے کسی سازش یا تحریکی سرگرمیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، تو پھر یہ نظریہ صرف مسلمانوں کے تئیں نہیں ہونا چاہیے اور ایک ہی جیسے معاملے میں انصاف کے دو پیمانے نہیں رکھنا چاہیے۔

ڈاکٹر وندنا گاندھی نے چند خود ساختہ کہانیوں کو بنیاد بنا کر "لو جہاد" کے نظریے کا انکشاف کیا ہے۔ ان کو لگتا ہے کہ جب بھی کوئی مسلمان دھوکہ دے کر کسی غیر مسلم لڑکی کے ساتھ شادی اور محبت کرتا ہے تو وہ دراصل لو جہاد کا حصہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وندنا گاندھی نے تو اپنی کسی کہانی کا کوئی ثبوت نہیں دیا ہے مگر ہم یہاں ایک کہانی وندنا جی کے روبرو رکھنا چاہیں گے اور یہ کوئی کہانی محض نہیں ہے، بلکہ حقیقت ہے جس کے اطمینان کے لیے پورا ثبوت فراہم کیا جائے گا۔ کہانی پڑھنے کے بعد چند سوالات ہم وندنا گاندھی کے سامنے رکھیں گے جن کا جواب وہ خود بھی دے سکتی ہیں، یا جو لوگ ان کی لکھی ہوئی کتاب سے متاثر ہیں اور اس کتاب پر غیر مشروط ایمان لائے ہوئے ہیں اگر ان سے ہو سکے تو وہ بھی جواب دے سکتے ہیں۔

مزدور کریمہ:

"اینٹوں کے بھٹے پر کام اور غربت نے اگرچہ کریمہ کے چہرے پر پژمردگی کی ایک پرت جما دی تھی، مگر اس کا گٹھیلا بدن، چھریرہ جسم، خوبصورت آنکھیں اور رخساروں پر پھیلی جوانی کی سرخی اور سیاہ بالوں کی سحر انگیزی کسی کو بھی اپنا دیوانہ بنا سکتی تھی۔ بیجیندر (Bejendra) یہی سب دیکھ کر کریمہ کے عشق میں گرفتار ہو گیا تھا اور دن رات بس اسے کریمہ ہی نظر آتی تھی۔ اس کا خوبصورت اور بھولا چہرہ "بے جیندر" کو رات بھر سونے نہیں دیتا تھا، وہ صبح کا انتظار کرتے کرتے رات کاٹتا اور صبح ہوتے ہی "بھٹے" کے آس پاس چکر لگانے لگتا۔ کچھ دن تو کریمہ نے نظر انداز کیا مگر پھر اسے محسوس ہوا کہ شاید کوئی اسے برابر تکتا ہے، من پگھلا اور پھر "کریمہ" کے دل میں بھی بے جیندر کی محبت انگڑائی لینے لگی۔ مگر معاملہ دو الگ الگ مذہب کے لڑکے اور لڑکی کا تھا۔ بے جیندر نے اس کے لیے اپنا مذہب تبدیل کر لیا اور مسلمان بن کر کریمہ سے نکاح کر لیا۔

شروع میں تو یہ لگا کہ بے جیندر نے اپنی محبت کو پانے کے لیے مذہب کو قربان کر دیا ہے، مگر معاملہ اس وقت سنگین رخ اختیار کر گیا جب شادی کے کچھ ہی دنوں کے بعد بے جیندر نے دوبارہ مذہب تبدیل کر کے ہندو مذہب اپنا لیا اور کریمہ کو مجبور کر کے اس کا بھی "شدھی کرن" کروا دیا۔ اور اب کریمہ "سیما" بن کر اس کے ساتھ رہنے پر مجبور ہے"۔

ڈاکٹر وندنا گاندھی کے اطمینان کے لیے ہم بتا دیں کہ یہ کوئی کہانی نہیں ہے بلکہ سچی حقیقت ہے اور یہ خبر اردو روزنامہ "انقلاب" ۲۲؍ فروری ۲۰۱۷ء بروز بدھ کانپور ایڈیشن میں دیکھی جا سکتی ہے، جس کا تراشا ہمارے پاس بھی محفوظ ہے۔ اب میں یہاں پہنچ کر وندنا گاندھی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ اس کہانی کو کون سا عنوان دینا پسند کریں گی؟۔ اگر ایک مسلمان کا کسی ہندو لڑکی کے ساتھ فراڈ یا چھل یہ لو جہاد کہلاتا ہے تو پھر ایک ہندو لڑکے کا کسی مسلمان لڑکی کے ساتھ چھل کرنا اور شادی کے بہانے اس کا مذہب تبدیل کرا دینا اس حادثے کو کیا نام دیا جائے گا؟؟۔ اگر وندنا گاندھی کے اندر واقعی حق بولنے اور حقیقت کا سامنا کرنے کی جرأت ہے تو وہ ہمارے سوال کا جواب ضرور دیں گی۔

ہاں میں ذاتی طور پر اس طرح کے تمام معاملات کو انفرادی حادثات کے پس منظر میں دیکھتا ہوں جس کو بنیاد بنا کر کسی خاص مذہب یا کمیونٹی پر اوچھے الزامات نہیں لگائے جاسکتے ہیں۔اس طرح کے واقعات کا سماج میں رونما ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، نیا صرف یہ ہے کہ اب کچھ متعصب ذہنیت کے لوگوں نے ان حادثات کے ذریعہ اپنی سیاست کی روٹیاں سینکنا شروع کر دی ہیں۔اور جو لوگ ہندوستان جیسے سیکولر ملک کو "ہندو راشٹر" بنانے کا خواب دیکھتے ہیں وہ وندنا گاندھی کی کہانیوں کا سہارا لے کر ذہنوں میں زہر گھولنے کا کام کرتے ہیں، جب کہ ملک کی غیر مسلم اکثریت جو امن پسند ذہنیت رکھتی ہے وہ ان حادثات کو صرف حادثے کے روپ میں دیکھتی ہے۔

"انچاہالو جہاد":

تقریباً ایک سو پچاس صفحات پر مشتمل یہ افسانوی کتاب ڈاکٹر صباحت انصاری کی تخلیق ہے، جنھوں نے ملک کی تین عظیم یونیورسٹیز" علی گڑھ مسلم یونیورسٹی"، "دہلی یونیورسٹی" اور "پنت نگر یونیورسٹی" میں تعلیم مکمل کی ہے۔صباحت انصاری کی کتاب پڑھنے کے بعد واضح طور پر یہ نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے کہ صباحت صاحبہ "لو جہاد" کے نام پر ہونے والے پروپیگنڈے سے متاثر ہیں اور وہ لو جہاد جیسی خود ساختہ اصطلاح کو حقیقت کے روپ میں دیکھتی ہیں، اور نہ صرف دیکھتی ہیں بلکہ انہوں نے ایک قدم آگے بڑھ کر عوام کو "لو جہاد" کے دو پہلوؤں سے روشناس کرایا ہے "ارادی لو جہاد" اور "غیر ارادی لو جہاد" اسی کا نام انہوں نے "ان چاہالو جہاد" رکھا ہے۔کہانی کا ماحصل صرف یہ ہے کہ:

> مسلم لڑکا "جوریج" ایک ہندو لڑکی سے محبت کرتا ہے، سچی محبت، وہ اس کو اپنانا بھی چاہتا ہے، اسے اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہے اور اس لڑکی کے لیے اس کے دل میں بہت جگہ ہے۔مگر آگے چل کر حالات کچھ اس طرح کے پیدا ہوتے ہیں کہ لڑکے کے لیے لڑکی کو اپنانا مشکل ہو جاتا ہے۔اس کے سامنے اپنی بہن کی عزت اور شادی کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نے کسی غیر مسلم لڑکی سے بھاگ کر شادی کر لی یا پھر ہندو رواج کے مطابق شادی کر لی تو پھر سماج میں خود اس کی بہن سے رشتہ کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوگا، اس لیے کہ ابھی سماج کے اندر اس طرح کے رجحانات کا فقدان ہے اور سماج سے کٹ کر انسان کا زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔یہی سب سوچ کر جوریج "روہنی" سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے جب کہ روہنی حاملہ ہو چکی ہوتی ہے۔اس پورے ڈرامے میں جوریج "روہنی" سے پیچھا چھڑانے کے لیے اسلام کا سہارا لیتا ہے اور اسلام کا حوالہ دے کر وہ ہندو لڑکی کو سمجھاتا ہے کہ مذہب کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔

حالاں کہ آگے چل کر روہنی اپنے بچے کی خاطر اسلام قبول کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتی ہے، مگر صباحت صاحبہ کا مسلم کردار جسے انہوں نے "جوریج" کا نام دیا ہے یہ کہہ کر لڑکی کی بات مسترد کر دیتا ہے کہ:

> "تمھارا اسلام لانا ایک مجبوری کے تحت ہے اور یہ اسلام میں قبول نہیں کیا جاسکتا ہے"۔جوریج ایک جملہ اور بولتا ہے کہ: "اس لڑکی سے کوئی بھی بندہ شادی کر لے گا اور جب یہ مسلمان بن جائے گی تو ثواب کے چکر میں اسے کوئی بھی اپنا بنا لے گا"۔

یعنی جوریج کی محبت کی ابتدا میں حقیقت تھی، سچائی تھی، اس نے پیار کیا تھا وہ نام نہاد "لو جہادی" نہیں تھا، مگر بعد میں حالات کے دباؤ میں آکر جب اسے ہندو لڑکی سے پیچھا چھڑانا پڑا تو پھر اس نے اسلام کو ڈھال کے طور پر استعمال کیا، صباحت انصاری صاحبہ نے اسی کا نام "غیر ارادی لو جہاد" رکھا ہے۔

کہانی کئی نشیب و فراز سے گزرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے ہندو لڑکی جس کا نام "روہنی" تھا مجبوری میں اسلام قبول کر کے "حیا رضوی" بن جاتی ہے اور "عارفین" نام کا ایک دوسرا مسلم نوجوان اسے اپنے گھر میں پناہ دے دیتا ہے۔حیا رضوی کے یہاں ایک بچی پیدا ہوتی ہے تو بڑی ہو کر اپنے ماضی کی کڑیاں تلاش کرتی ہے۔کہانی کے اختتام پر جوریج جس نے "روہنی" بنام حیا رضوی کو بے سہارا چھوڑ دیا تھا، ایک دردناک موت مرتا ہے اور اس کی بیٹی "لائبہ" اپنے باپ "جوریج" کے بارے میں اس کی موت کے بعد یہ تاثر لیتی ہے کہ:

> "روح کانپ جاتی ہے اس کی آج بھی یہ سوچ کر کہ جب ایک ان چاہے لو جہاد کے رہتے اس کے باپ کا یہ حال ہوا

تھا، جان بوجھ کر کسی کو مسلم بنانے کے لیے جہادیوں کا حشر کے روز کیا انجام ہوگا...؟۔ کاش دنیا کا ہر "لوجہادی" پر اسی طرح خدا کی مار پڑے تو دنیا میں کوئی اسلام کی آڑ لے کر عورتوں کے جذبات کے ساتھ نہ کھیلے"۔

مذکورہ افسانے کے بین السطور سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صباحت انصاری صاحبہ لوجہاد جیسی بے بنیاد چیز پر یقین رکھتی ہیں اور مانتی ہیں کہ ملک میں یا ملک کے باہر کہیں نہ کہیں لوجہاد جیسی سرگرمی چل رہی ہے، حالاں کہ جو کہانی انصاری صاحبہ نے پیش کی ہے وہ کوئی انوکھی نہیں ہے، ہمارے ملک میں آئے دن اس طرح کے واقعات اخباروں کا حصہ بنتے رہتے ہیں جب دو الگ الگ مذہب یا الگ الگ ذات اور برادری کے نوجوان بچے جوانی کے نشے میں غلطیاں کر بیٹھتے ہیں اور پھر زندگی کے دوراہے پر آنے کے بعد اپنی ذات یا مذہب کا حوالہ دے کر پلہ جھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔یعنی کسی کے جسم کے ساتھ کھیلتے وقت وہ اپنا مذہب اور اپنی برادری سب بھول جاتے ہیں اور بات جب بہت آگے نکل جاتی ہے تو سماج کے خوف سے ہمیشہ کے لیے کسی کو اپنا بنانے کی جرأت نہیں کرپاتے ہیں اور ڈھال کے طور پر وہ اپنا مذہب اور ذات برادری کا استعمال کرتے ہیں۔

میں صباحت انصاری صاحبہ کو صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ اس طرح کے واقعات کے ساتھ "جہاد" کا لفظ جوڑنا یہ اسلام کی ایک مقدس اصطلاح کی توہین ہے۔لوجہاد ایک بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے نہ وہ "ارادی" ہوتا ہے اور نہ "غیر ارادی"۔انصاری صاحبہ جن واقعات اور حادثات کو بنیاد بنا کر لوجہاد کی تہ اور اس کی جڑیں تلاشنے کی کوشش کر رہی ہیں وہ حادثات کوئی آج کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ یہ ہر اس سماج کا مسئلہ ہے جہاں مختلف رنگ، نسل، زبان اور مذہب ذات کے لوگ رہتے ہیں۔

میں لوجہاد جیسی کسی سازش کو ماننے سے اس لیے انکار کر رہا ہوں کہ یہ ایک پروپیگنڈہ ہے جس کے ذریعے مسلم نوجوانوں کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے، انہیں جھوٹا پھنسایا جاتا ہے اور ان کی زندگیوں کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

صباحت انصاری جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار شخصیت کو یہ بات کب سمجھ میں آئے گی کہ ۲۰۱۴ء میں بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد ملک کا سیاسی منظرنامہ یکسر بدل چکا ہے اور اب سیاست میں مذہب کا رنگ گھول کر اپنے مفاد کی روٹیاں سینکی جا رہی ہیں، جذبات کو بھڑکا کر ووٹ حاصل کرنے کے لیے یہ شوشے چھوڑے جاتے ہیں، تاکہ مخصوص کمیونٹی کے اندر خوف اور انتقام جیسے جذبات پیدا کر کے ان کی حمایت اور تائید کو اپنے حق میں محفوظ کرلیا جائے۔

اخیر میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ صباحت انصاری جیسی شخصیت کی طرف سے لوجہاد جیسے بے بنیاد اور جھوٹے پروپیگنڈے پر یقین کرلینا اور پھر پوری کتاب لکھ کر اس نظریہ پر اپنی تائید اور حمایت کی مہر لگا دینا افسوسناک ہے۔

لوجہاد: ایک پیغام مسلم نوجوانوں کے نام:

کسی بھی قوم کی تعمیر و ترقی اور اس کے روشن مستقبل کی ضمانت نوجوان نسل ہوا کرتی ہے۔نوجوانوں کی ارادی پختگی، عزم و حوصلہ اور حالات سے نبرد آزما ہونے کی قوت قوم کی تقدیر بدل دیتی ہے۔جب کہ دوسری طرف اگر یہی نوجوان نسل بگاڑ کے راستے پر چلنے لگے، اپنے ہدف اور مقصد سے لاپرواہ ہوجائے، اور اس کی توانائیاں غلط رخ اختیار کرلیں تو پھر ذاتی اور انفرادی طور پر زندگی مشکلات کی آماجگاہ تو بن ہی جاتی ہے ساتھ ہی ساتھ مجموعی طور پر معاشرہ ان اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔معاشرے پر خطرناک حد تک منفی اور غیر صالح اثرات مرتب ہوتے ہیں جو معاشرے کو ترقی کے دھارے کے بجائے کسی اور راہ ڈال دیتے ہیں اور نوجوانوں کی غلط روی کبھی معاشرے کو اس قدر سنگین حالات سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کا خمیازہ کئی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے اور پوری قوم تباہی کے دہانے پر پہنچ کر اپنی بے بسی پر آنسو بہا کر رہ جاتی ہے۔

اس وقت ملک کے حالات پر ہم سب کی نظر ہے مسلمانوں کو تہ و بالا کرنے اور ان کا وجود اور تشخص مٹا دینے کے لیے دشمن ہر حربہ اپنا رہے ہیں تعصب و تنگ نظری ہماری بستیوں میں آگ لگانے کے لیے پر تول رہی ہے، تشدد پسند تنظیمیں کشت و خون کا بازار گرم کرنے کے لیے بہانے تلاش رہی ہیں ایسے حالات میں وقت کا جبری مطالبہ یہ ہے کہ ہم پھونک پھونک کر قدم رکھیں اور اپنی زندگی کو "حزم و احتیاط" جیسے الفاظ سے روشناس کرادیں، اپنی خواہشات اور رنگین دنیا سے نکل کر حقیقت کا ادراک کریں اور اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی کریں۔

مگر افسوس اس بات کا ہے کہ آج کا مسلم نوجوان اپنی دنیا میں جینے

کا عادی ہو گیا ہے، نہ وہ قوم کو دیکھنا چاہتا ہے، اور نہ اسے معاشرے کی فکر ہے، وہ صرف اپنی خواہشات کا بندہ ہے، اور وہ کسی بھی قیمت پر اسے پورا کرنا چاہتا ہے اگرچہ اس کی ایک چھوٹی سی غلطی سے پوری قوم کی تباہی ہوتی ہے تو ہو جائے اسے اس سے کوئی مطلب نہیں رہ گیا ہے۔

اب آپ خود ہی دیکھ لیجیے کہ ایک طرف تو انتہا پسند تنظیمیں بھوکے بھیڑیے کی طرح مسلمانوں کی طرف دیکھ رہی ہیں، ان کی بستیوں میں ہلہ بولنے کے لیے بہانے تلاش کر رہی ہیں، عصری دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کر رہے مسلم نوجوانوں کو طرح طرح سے ہراساں کر کے ان کے مستقبل کو تاریکی کی طرف ڈھکیل رہی ہیں اذانوں پر پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں، مذہبی پروگراموں پر پہرے بٹھائے جا رہے ہیں گھروں میں گھس کر ظلم و زیادتی کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ ایسے ماحول میں ہمارے معاشرے کے کچھ ناعاقبت اندیش نوجوان غیر قوموں کی لڑکیوں سے ابھی بھی عشق بازی کے مزے لے رہے ہیں۔ ابھی بھی ایک تعداد ایسے نوجوانوں کی مل جائے گی جو ملک کے حالات سے باخبر ہونے کے باوجود غیر مسلم لڑکیوں سے رابطے میں ہیں۔ نہ وہ نوشتہ دیوار پڑھنا چاہتے ہیں اور نہ ہوش کے ناخن لینا چاہتے ہیں، انہیں لگتا ہے کہ ملک کے دستور میں ہمیں آزادی دی گئی ہے کہ ہم کسی سے بھی محبت کریں، مگر انہیں کون سمجھائے کہ ان کا یہ "سیکولر پیار" کب "لو جہاد" میں بدل دیا جائے اس کی ضمانت کون لے گا؟۔

کیا ملک کے بدلتے حالات پر آپ کی نظر نہیں ہے؟۔ کیا آپ تشدد پسند عناصر کے خفیہ منصوبوں سے واقف نہیں ہیں؟۔ کیا آپ ذرا ذرا سے معاملات کو لے کر پھوٹ پڑنے والے فسادات کا علم نہیں رکھتے؟۔ اگر ہے تو پھر خدارا اپنی خواہشات کو لگام دیجیے، رنگین دنیا سے باہر نکلیے، ذاتی مفادات کے بجائے قومی اور مذہبی مفادات کو ترجیح دینے کی سوچ پیدا کیجیے، ایسا قدم کیوں اٹھا رہے ہیں جو پوری قوم کو جھلسا کر رکھ دے۔ تمھارے عشق کے نتیجے کتنی ماں بہنوں اور بہوؤں کی عزت و عصمت کو تار تار کر سکتے ہیں؟۔ یہ کیوں بھول جاتے ہو؟۔ کیا تمہیں یہ اچھا لگے گا کہ تمھاری ایک غلطی سے قوم کی معصوم بچیوں کو سر عام برہنہ کر دیا جائے؟ انہیں جی بھر کر نوچا جائے؟۔ اگر تمھارا ضمیر اس حد تک مردہ نہیں ہوا ہے اور ابھی بھی تمھارے دل میں ایمان کی ہلکی سی بھی روشنی باقی ہے تو ٹھنڈے دماغ سے سوچیے، بار بار سوچیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ کہیں آپ بارود پر تو نہیں چل رہے ہیں، وہ بارود جو آپ کی موت کے ساتھ ساتھ آپ کے پیچھے پوری قوم کی تباہی کا ذریعہ بن جائے گی۔

آپ کالج میں پڑھتے ہیں، عصری دانش گاہوں میں زیر تعلیم ہیں، آپ کمپنیوں میں ملازمت کرتے ہیں، آپ کی دوستی ہر مذہب کے لڑکے اور لڑکیوں سے ہے اور آج کے کھلے ماحول میں ایک دوسرے کے قریب آنے کے مواقع ہر وقت موجود ہوتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ دوستی کب محبت کے قالب میں ڈھل جاتی ہے یہ بھی پتہ نہیں چلتا ہے، پتہ اس وقت چلتا ہے جب اس محبت کے خطرناک نتائج نکل کر سامنے آتے ہیں۔

میں ان تمام نوجوانوں سے پوری امت مسلمہ کی طرف سے گزارش کرنا چاہوں گا جو کھلی فضا اور مخلوط ماحول میں رہتے ہیں کہ خدارا! حالات پر نظر رکھیے، اسلام تو تم سے پاک دامنی کا مطالبہ کرتا ہی ہے، ساتھ ہی ساتھ حالات کے تقاضے بھی تم سے احتیاط کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ "عشق مجازی" کی لذت کا خیال اپنے ذہن و دماغ سے نکال دیجیے اور جب کسی سے عشق فرمانے کا خیال کچوکے لگائے تو اپنی ماں، بہن اور قوم کی عفت مآب بچیوں کی عصمت و عزت کا تصور بھی کر لیجیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری ایک خواہش کی تکمیل ہزاروں پردہ نشینوں کی عصمت و عزت کی بربادی کا سبب بن جائے، تمھاری آزادانہ روش کا کفارہ امت مسلمہ کی بے گناہ بچیوں کو ادا کرنا پڑ جائے اور تمھاری بے فیض محبت کا خمیازہ پھر کسی "افراز الاسلام" کو بھگتنا پڑے۔

اور اگر آپ ابھی بھی اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر ترجیح دینا چاہتے ہیں اور قوم و مذہب کا کوئی تصور آپ کے پیر کی زنجیر نہیں بن سکتا ہے، تو خوب عشق و محبت کا شوق فرمائیے اور اپنی خواہشات کو ہوا دیجیے، مگر قیامت کے دن خدا کے غضب اور اپنے رسول کی ناراضگی کے لیے بھی خود کو تیار رکھیے۔ ایسا دن جب قوم کی معصوم بچیوں کا ہاتھ ہوگا، تمھارا گریبان ہوگا اور خدائے قہار و جبار کی عدالت ہوگی۔

چند لمحوں کی لذت کی خاطر نہ خود کسی پروپیگنڈے کا شکار بن کر اپنی زندگی تباہ کیجیے اور نہ ہی اپنی قوم کی ہلاکت کا راستہ ہموار کیجیے۔ اپنی ساری توجہ مستقبل کی تابناکی پر مرکوز رکھیں، تعلیم سے لیس ہوں، اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائیں، ملک، قوم اور سماج کی ترقی میں اپنا کردار پیش کریں اور صاف ستھری زندگی کا خواب دیکھیں۔ ☆☆☆☆

مولانا محمد سبحان رضا مصباحی: رکن آئینہ ہند اکیڈمی، اتردیناج پور، بنگال

اللہ وحدہٗ لاشریک کی عطاکردہ نعمتوں میں زبان ایک عظیم نعمت ہے ، زبان کے صحیح استعمال سے انسان کو عزت وشرافت ملتی ہے اور وقار بلند ہوتا ہے ، لیکن زبان کے غلط استعمال سے ذلت ونکبت بھی ملتی ہے اور زمانے میں رسوائی بھی ہوتی ہے ۔ اسی زبان کے ذریعے مولیٰ تعالیٰ کی خوشنودی اور بارگاہِ رسالت میں پذیرائی حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے انھیں جہنم کے قعرمذلت میں بھی ڈال دیاجاتا ہے ۔اس لیے زبان کی اہمیت اور نزاکت کوسمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کی طرف خصوصی توجہ دینے کی اشدضرورت ہے ۔

امام غزالی فرماتے ہیں:

”اے عزیز! معلوم ہونا چاہیے کہ زبان عجائبات صفات الٰہی میں سے ہے ،اگر چہ وہ گوشت کاایک ٹکڑا ہے ،لیکن حقیقت میں جو کچھ موجود ہے ،وہ سب کچھ اس کے تصرف میں ہے ،کیوں کہ وہ موجود ومعدوم دونوں کوبیان کرتی ہے ،زبان عقل کانائب ہے اورعقل کے احاطے سے کوئی چیز باہر نہیں ہے اور جوکچھ عقل ووہم اور خیال میں آتاہے زبان اس کی تعبیر کرتی ہے ،انسان کے کسی دوسرے عضومیں یہ صفت نہیں ہے “۔[کیمیاے سعادت، ص:۵۰۳]

حفاظت زبان قرآن کی نظر میں:

معاشرے کی اصلاح و بگاڑ میں زبان کلیدی کرداراداکرتی ہے ،اس لیے قرآن کے اندر متعدّد جگہوں پر اس کی حفاظت وصیا نت پر زور دیاگیاہے اوراس کے غلط استعمال پر وعید شدید سنائی گئی ہے ۔چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۝۱۸ ۔[سورہ ق،آیت:۱۸]

ترجمہ:کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتاکہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھاہو۔[کنزالایمان]

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝۱ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝۲ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۝۳ [سور مومنون،آیت:۳]

ترجمہ:بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑاگڑاتے ہیں اور وہ جوکسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے ۔[کنزالایمان]

وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۔[سورہ ہمزہ،آیت:۱]

ترجمہ:خرابی ہے اس کے لیے جو لوگوں کے منھ پر عیب کرے پیٹھ پیچھے بدی کرے ۔[کنزالایمان]

مذکورہ بالاتمام آیتوں سے خداوند قدوس نے اپنے بندوں کو یہ پیغام دیاکہ زبان سے نکلی ہوئی ہر بات ہمارے مقرر کردہ فرشتے لکھ لیتے ہیں اور بروز حشر اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اور جو اپنی زبان کی حفاظت کرے گاوہ دنیا اور آخرت میں فلاح ونجات پائے گا۔

زبان جنت ودوزخ میں لے جانے والی ہے:

زبان جسم کا وہ اہم عضو ہے کہ اعمال کاترتب بھی اسی پر منحصر ہے ، احادیث نے اس کی حفاظت پر جنت کی بشارت اور بے جا استعمال پر جہنم کی وعیدیں سنائی ہیں ۔ذیل میں چند احادیث طیبہ پیش ہیں تاکہ قارئین انھیں پڑھ کر اپنی عاقبت کی فکر کریں اور

حصول جنت کے لیے کوشاں رہیں۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بات کرتا ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کی اس بات سے اتنا خوش ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے اس کو درجوں بلند کر دیتا ہے اور بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کی بات کرتا ہے اور اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس سے اتنا ناراض ہوتا ہے کہ اس کو جہنم میں گرا دیتا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ وہ جہنم کی اتنی گہرائی میں گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے فاصلہ سے بھی زیادہ ہے۔[صحیح بخاری ،کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ج:۴، ص:۲۴۰]

انسان اپنی زبان اور شرمگاہ کو معمولی سمجھتا ہے، مگر اسے نہیں معلوم کہ یہی وہ چیزیں ہیں جن کے بے جا استعمال سے وہ جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے، جب کہ درست استعمال سے جنت کے حق دار بن سکتے ہیں جیسا کہ حدیث میں کہا گیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ! زیادہ تر لوگ کس وجہ سے جنت میں جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: تقویٰ اور حسن اخلاق کی وجہ سے، پھر آپ سے پوچھا گیا کہ زیادہ تر لوگ کس وجہ سے جہنم میں جائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: زبان اور شرمگاہ کی [حفاظت] وجہ سے۔[المستدرک للحاکم، حدیث:۷۹۱۹]

بلکہ مالک جنت مصطفی جان رحمت ﷺ نے حفاظت زبان و فروج پر اپنی امت کو جنت کی ضمانت دے رکھی ہے، ارشاد مصطفی ہے:

”من یضمن لی مابین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة“

ترجمہ: جو مجھے اس کی ضمانت دے جو دونوں جبڑوں کے درمیان ہے [یعنی زبان] اور اس کی جو دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے [یعنی شرمگاہ] تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔[صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ج:۴، ص:۲۴۰]

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے جنت میں لے جانے والے اور جہنم سے بچانے والے اعمال کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایک عظیم چیز کے بارے میں سوال کر لیا، لیکن یہ آسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ آسان کر دے، پھر حضور نے فرمایا: اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکات ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور خانۂ کعبہ کا حج کرو، پھر فرمایا: کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جس پر ان سب کا دارومدار ہے، حضرت معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی ہاں یا نبی اللہ! تو حضور نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو، میں نے عرض کی یا نبی اللہ! کیا زبانی گفتگو پر بھی ہماری پکڑ ہوگی؟ ارشاد فرمایا آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منھ کے بل [یا یہ فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل] ان کی زبانوں کی بیہودہ باتیں ہی تو ڈلوائیں گی۔ [ملخصا از مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، ص:۵۳]

خاموشی باعث نجات وعبادت ہے:

انسان جب بولتا ہے تو اس بات کا اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کوئی جملہ غلط نہ نکل جائے، کسی کی غیبت اور چغلی نہ ہوجائے، یا کسی کی دل شکنی نہ ہوجائے، لیکن جب وہ خاموش رہتا ہے تو پھر کسی چیز کا اندیشہ نہیں رہتا، بلکہ وہ خاموشی اس کے لیے باعث نجات وعبادت بن جاتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے کم بولنے اور دیر تک خاموش رہنے کی تلقین فرمائی، فرمان رسالت ہے:

اے ابوذر! کیا میں تمھیں دو ایسی باتیں نہ بتادوں جو پیٹھ پر ہلکی اور میزان میں بھاری ہیں؟ انھوں نے عرض کی، ہاں یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا:

”علیك بحسن الخلق وطول الصمت فوالذی نفسی بیده ما عمل الخلائق بمثلها“

حسن اخلاق اور لمبی خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلو، قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، تمام مخلوقات

نے ان کی مثل پر عمل نہیں کیا، یعنی ان کی مثل کوئی چیز نہیں جن پر عمل کیا جائے۔[شعب الایمان، حدیث:۸۰۰۶]

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "من صمت نجا" ترجمہ: جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔[ترمذی، حدیث:۵۲۰۹]

ایک دوسری حدیث میں سرکار دوعالم ﷺ نے خاموشی کو عبادت قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا:

"مقام الرجل للصمت افضل من عبادة ستين سنة"

آدمی کا سکوت پر قائم رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔

حکیم الامت حضرت مفتی احمدیار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص ساٹھ سال عبادت کرے مگر زیادہ باتیں بھی کرے، اچھی بری بات میں تمیز نہ کرے، اس سے یہ بہتر ہے کہ تھوڑی دیر خاموش رہے، کیوں کہ خاموشی میں فکر بھی ہوئی، اصلاح نفس بھی، معارف و حقائق میں استغراق بھی، ذکر خفی کے سمندر میں غوطہ لگانا بھی، مراقبہ بھی۔ [مرآۃ المناجیح، ج:۶، ص:۳۶۱]

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: نجات کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: اپنی زبان پر قابو رکھو اور تمھارا گھر تمھارے لیے کافی ہو[یعنی زیادہ وقت اپنے گھر میں رہا کرو] اور اپنی خطا پر رویا کرو۔ [المسند للامام احمد بن حنبل، حدیث:۲۲۲۹۸]

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ خاموشی یقیناً باعث نجات و عبادت ہے، لیکن یہ اسی وقت جب کہ مقام اور تقاضا خاموشی کا ہو، ورنہ وقت تکلم بات کرنا ہی مناسب ہے، خاموشی حماقت ہے اور یہ بھی ذہن نشیں رہے کہ بعض لوگوں کا خاموش رہنا بولنے سے افضل ہے اور بعض کا بولنا خاموش رہنے سے افضل ہے۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ بغداد کے ایک محلے سے گزر رہے تھے کہ ایک مدعی طریقت کہہ رہا تھا "السکوت خیر من الکلام" "خاموش رہنا بولنے سے افضل ہے"، شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: تیری خاموشی تیرے کلام سے بہتر ہے، کیوں کہ تیرا کلام لغو ہے اور تیری خاموشی مضحکہ خیز ہے، میرا کلام میری خاموشی سے بہتر ہے، کیوں کہ میری خاموشی حلم ہے اور میرا کلام علم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میں نہ بولوں تو یہ میری بردباری ہے، اگر بولوں تو یہ میرے علم کا اظہار ہوگا، جب خاموش ہوتا ہوں تو حلیم ہوتا ہوں اور جب بولتا ہوں تو علیم ہوتا ہوں۔[کشف المحجوب، ص:۴۶۵]

زبان باعث سلب ایمان بھی ہے:

زبان سے انسان اسلام کا اقرار کرتا ہے تو دنیا والے اسے مومن اور مسلم قرار دیتے ہیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرتے ہیں، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ یہی بندہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات بول دیتا ہے، جس سے اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اور اس کو خبر تک نہیں ہوتی، اس لیے جب حضور سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مجھ پر کس چیز کا خوف ہے؟ تو حضور ﷺ نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا: "یہ ہے"۔

زبان اگر ٹھیک رہے اور خوف خدا سے ہر دم لرزتی رہے تو ایمان و عمل کی سلامتی یقینی ہے اور جہاں زبان پھسلی وہاں ایمان و عمل خطرے کی زد میں آجاتے ہیں، اس لیے حدیث میں ہے: کہ ابن آدم جب صبح کرتا ہے تو تمام اعضا زبان کے سامنے عاجزانہ یہ کہتے ہیں کہ تو خدا سے ڈر کہ ہم سب تیرے ساتھ وابستہ ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب سیدھے رہیں گے اور گر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم سب ٹیڑھے ہو جائیں گے۔[ترمذی، کتاب الزھد، ج:۴، ص:۱۸۳]

اللہ جل شانہ ہمیں اپنی زبان کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے اور دنیا و آخرت کی سعادتوں سے مالامال فرمائے، آمین۔

☆☆☆

اصلاح معاشرہ

خودکشی کا بڑھتا رجحان: اسباب وتدارک

مفتی غلام سرور مصباحی: جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم ڈی جے ہلی، بنگلور

خودکشی کا رجحان دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے، پوری دنیامیں لوگ اس مرض کے شکار ہورہے ہیں، زیادہ تر غیر مسلم اس کے شکنجے میں پھنستے نظر آتے ہیں، مگر موجودہ حالات میں مسلم نوجوان لڑکے لڑکیوں نے بھی اس مرض کو آخری دوا کے طور پر استعمال کرنا شروع کردیا ہے، ہندوستان کے زیادہ تر شہر اس کے لپیٹ میں ہیں، آئے ان خودکشی کے واقعات وحادثات سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں، پیار محبت کا نشہ، میاں بیوی کے کا جھگڑا اورامتحانات میں ناکامی کے سبب خودکشی کے واقعات زیادہ تر وجود میں آتے ہیں۔

خودکشی کے بڑھتے رجحان کے چند اہم وجوہات:

موجودہ حالات میں خودکشی کے بہت سے اسباب ہیں، ان میں بے روزگاری ایک اہم سبب ہے، آج ہزاروں نوجوان پڑھ لکھ کر نوکریوں کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں، اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے والے نوجوان بھی نیتاؤں اور آفیسروں کی گلیوں کے سوسو پھیرے لگاتے ہیں اور رشوت دینے کے باوجود نوکریوں سے محروم رہتے ہیں۔ ایسے میں گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ نوجوانوں کے سر آجاتا ہے اور نوجوان ان مصیبتوں سے چھٹکارا پانے کے لیے خودکشی کا راستہ اپنالیتا ہے۔

خودکشی کا ایک بڑا سبب مفلسی اور فاقہ کشی بھی ہے۔ آسمان چھوتی مہنگائی نے تو آج اچھے اچھوں کی کمر توڑ رکھی ہے، غربت و افلاس میں رہنے والوں کا حال انتہائی خستہ اور بدتر ہے، لہٰذا خانہ داری کی ذمہ داری اور پھر لڑکیوں کی شادی بیاہ کے انتظام سے عاجزی خودکشی کی طرف قدم اٹھانے پر مجبور کرتی ہے۔

قرض کا بوجھ بھی خودکشی کا ایک اہم سبب ہے، ہم آئے دن اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ آج فلاں شخص نے اہل وعیال کے ساتھ قرض کی ادائیگی سے عاجز آکر خودکشی کرلی۔ عام طور پر دکان، تجارت اور کمپنی کی مزید ترقی کے لیے قرض کا سہارا لیا جاتا ہے پھر قرض کی ادائیگی سے عاجز ہوکر خودکشی کی طرف قدم بڑھایا جاتا ہے۔

حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ اعلان نبوت کے بعد جن نفوس قدسیہ نے دامن اسلام میں پناہ لیا ان پر طرح طرح سے ظلم وبربریت کے پہاڑ ڈھائے گئے جن کے تصور سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے، پھر بھی عزم واستقلال اور صبر وشکر کے ان ماہ ونجوم پر نہ کوئی خوف طاری ہوا اور نہ انہوں نے دل برداشتہ ہو کر خودکشی کا راستہ اپنایا، لیکن آج مسلم سماج کے نوجوان اپنے مطلوب و مقصود کے حصول کے لیے اپنی قیمتی جانوں کو گنوادینے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے، اس لیے مؤقر رسالہ ”سہ ماہی پیغام مصطفیٰ“ کے ذریعہ خودکشی کی وعید اور عذاب کو قارئین تک پہنچانے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

انسانی جان اور اعضا اللہ کی امانت ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ [الاسراء/۷۰]

ترجمہ: اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں

اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل کیا۔ [کنز الایمان]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ[الاحزاب/۷۲]

ترجمہ: بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر، انہوں اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی، بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ [کنز الایمان]

مؤخر الذکر آیت کے تحت خزائن العرفان میں ہے:

"امانت سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا حکم دیا گیا اور جن کی ممانعت کی گئی، حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص نے فرمایا کہ تمام اعضا کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ پتہ چلا کہ انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور اس کو مشرف و مکرم بنایا، لہٰذا قبل موت اور بعد مرگ بھی اعضا کا مالک اللہ جل مجدہ الکریم ہے اور سر سے پاؤں تک پورا جسم اللہ کی امانت ہے تو اس سے واضح ہوا کہ کسی دھار دار آلہ، زہر، پھانسی کے ذریعہ یا کنوے یا تالاب میں چھلانگ لگا کر جان گنوا دینا اللہ کی خلقت میں تبدیلی کرنا ہے بلکہ خودکشی کا مرتکب نعمت الٰہی اور امانت خداوندی کا خائن ہے۔

خودکشی کا عذاب:

خودکشی خطرناک اور سنگین جرم ہے، دنیا میں خودکشی کرنے والا جس طرح اور جن چیزوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گا، جہنم میں بعینہ اسی طرح عذاب میں گرفتار ہوگا۔ چناں چہ بخاری شریف، کتاب الطب، باب من شرب السم و الدواء و بما یخاف منہ میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا جو اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر ہلاک کرے وہ دوزخ میں جائے گا، ہمیشہ اس میں گرتا رہے گا، جو زہر کھا کر اپنے آپ کو ختم کرے تو دوزخ میں وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، جہنم میں اسے کھاتا رہے گا۔ جو لوہے کے ہتھیار سے اپنے آپ کو ہلاک کرے تو وہ ہتھیار [چاقو یا چھری] اس کے ہاتھ میں ہوگا اور جہنم میں ہمیشہ اپنے پیٹ میں مارتا رہے گا۔ اور مسند امام احمد ابن حنبل میں ہے: حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جس نے خود کو نیزہ مار کر قتل کیا وہ دوزخ میں نیزہ مارتا ہی رہے گا۔ جس نے آگ میں کود کر خودکشی کرلی تو وہ جہنم کی آگ میں گھستا ہی رہے گا، جس نے اپنا گلہ خود گھونٹ دیا جہنم میں اپنا گلہ گھونٹتا ہی رہے گا۔ [ج: ۶، کتاب القتل والجنایات، و احکام الدماء، باب وعید من قتل نفسہ بأی شئ کان]

ہر حال میں خودکشی حرام ہے:

[۱] حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے [بنی اسرائیل میں] ایک آدمی تھا، اس کو کوئی زخم لگا تو اس نے بے صبری کا اظہار کیا اور چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ دیا۔ خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کے تعلق سے فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنے نفس کے معاملے میں مجھ سے سبقت کی تو میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ [بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل]

[۲] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ حنین میں تھے، ہم لوگوں میں ایک شخص تھا جس کا شمار مسلمانوں میں ہوتا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے، جب جنگ شروع ہوئی تو وہ آدمی بڑی بہادری کے ساتھ لڑا اور زخمی ہو گیا۔ حضور ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ جس شخص کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے وہ آج بہت بہادری سے لڑا ہے اور اب وہ مر چکا ہے، آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے، اتنے میں کسی نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ وہ شخص ابھی مرا نہیں ہے، لیکن بہت زخمی تھا، زخم کی تکلیف

برداشت نہ کر سکا اور خود کشی کر لیا، اللہ کے رسول کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، پھر آپ نے حضرت بلال کو بلوا کر فرمایا جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوں گے۔[مسلم کتاب الایمان، باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسہ و من قتل نفسہ عذب بہ فی النار]

معلوم ہوا کہ مصیبت، مہلک بیماری، درد اور تکلیف کے وقت آدمی کو صبر کا دامن تھامے رہنا چاہیے، مصائب و آلام کی وجہ سے خود کشی در حقیقت تقدیر الٰہی کو چیلنج کرنا ہے اور ایسا قطعا مناسب نہیں۔

خود کشی کرنے والے کے لیے دعاے مغفرت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو کسی مضبوط قلعہ اور حفاظت کے مقام کی ضرورت ہے؟ آپ نے انکار فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو طفیل بن عمرو دوسی بھی اپنی قوم کے ایک شخص کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آگئے، جب طفیل کا ساتھی بیمار ہو گیا اور جب بیماری اس کی طاقت سے باہر ہو گئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اور خون بہنے لگا۔ اور اسی وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت طفیل نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، اس نے کہا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی وجہ سے مجھے بخش دیا، حضرت طفیل نے پوچھا: تم اپنے ہاتھوں کو چھپائے اور لپیٹے ہوئے کیوں ہو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے ہم اسے درست نہیں کریں گے۔ حضرت طفیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس خواب کو بیان کیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دے۔[مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر]

مذکورہ حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں کہ خود کشی کفر نہیں بلکہ گناہ کبیرہ ہے۔ لہٰذا خود کشی کرنے والا ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا، بلکہ طویل مدت اور لمبے عرصہ تک دوزخ میں رہے گا۔ اس لیے خود کشی کرنے والوں کے لیے دعاے مغفرت اور نماز جنازہ جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے اعضا کا مالک نہیں، لہٰذا اپنے گردے، آنکھ، ہاتھ، ہڈی، پاؤں اور کڈنی وغیرہ کے ہدیہ کی وصیت نافذ نہیں اور ہدیہ دینا بالکل جائز نہیں۔

خود کشی کرنے والے کی نماز جنازہ:

امام حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابو قتادہ، امام اعظم، مالک، شافعی اور جمہور علما کا مسلک یہ ہے کہ خود کشی کرنے والے شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، خواہ اس پر حد جاری ہو، رجم کیا گیا ہو، خود کشی کرنے والا ہو، یا ولد الزنا ہو۔[شرح مسلم جلد ۲/۸۷۳ کتاب الجنائز]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اس [خود کشی کرنے والے] کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اور زید کا کہنا کہ مقابر مسلمین میں دفن نہ کیا جائے محض باطل اور اپنے جی سے حکم گڑھنا ہے، در مختار میں ہے: من قتل نفسہ عمداً یغسل و یصلی علیہ بہ یفتی[السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ]

لہٰذا ہمیں مصائب و آلام اور نامساعد حالات میں اپنے رب کی طرف لو لگا کر اس کی نصرت و حمایت کا انتظار کرنا چاہیے اور کبھی بھی خود کشی جیسے گناہ کے ارتکاب کے بارے نہیں سوچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔

☆☆☆☆

بلبل بنگال مولانا الیاس اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: حیات وخدمات

مفتی احمد رضا حنفی مصباحی : جامعہ اہلسنت ضیاء العلوم کربلا روڈ، کالپی شریف، ضلع جالون، یوپی

بلبل بنگال مولانا الیاس اشرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے حلقے کے ہر دل عزیز خطیب اور مخلص عالم دین تھے ،آپ نے تقریبا تین دہائیوں تک اپنے خطبات ومواعظ کے ذریعہ دین متین کی خدمت کی اور سماج ومعاشرے میں پھیلی بدعات وخرافات کے خلاف محاذ آرا رہے ،آپ کی گراں قدر دینی اور تبلیغی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے **سہ ماہی پیغام مصطفیٰ** کے مستقل کالم " **شخص وعکس** "میں آپ کے صاحب زادۂ گرامی **مفتی احمد رضا حنفی مصباحی** کی یہ تحریر ان کے شکریے کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔**محمد ساجد رضا مصباحی**

نام: محمد الیاس ، کنیت: ابو شاہد، لقب: بلبل بنگال ، والد کا نام : حکیم محمد خلیل الرحمٰن، نسب نامہ: محمد الیاس ابن محمد خلیل الرحمٰن ابن حسین بخش ابن الٰہی بخش ابن تنویر علی۔

سانولہ رنگ ، بلند قد کاٹھی ، متوسط جسم ، دراز دست وپیر، گول چہرہ ، کشادہ پیشانی ، گھنی بھنویں، اونچی ناک ، بڑی سرمگیں آنکھیں ، ان سے جھانکتی ہوئی فطری ذہانت ، بھرے ہوئے رخسار ، شرعی داڑھیوں کا حلقہ ،قدرے گھنی موچھیں ، لبوں پر مسکراہٹ ، اور مومنانہ فراست ، عالمانہ وقار، مفکرانہ وجاہت ، یہ ساری چیزیں اس شخصیت کے چہرے پر ایک مخصوص پہچان بن کر جمع ہوگئی تھیں ، جس کو دیکھتے ہی اہل محبت بلبل بنگال کہہ کر بغل گیر ہوجاتے یا نظر پڑتے ہی ان کی زبان سے مسرت کے ساتھ بے ساختہ سلام کا تحفہ نکل آتا۔جی ہاں ! بلبل بنگال حضرت مولانا الیاس منظری اشرفی علیہ الرحمہ نیچا کھالی داسپاڑا والے !، یہ نام آج بھی علاقہ کے افراد اور گاؤں دیہات کے عمر رسیدہ لوگوں میں اس قدر معروف ہے کہ آپ کہیں گے ، شاید بلبل بنگال بقید حیات ہیں یا ان کے انتقال کے ابھی چند ہی دن گزرے ہیں ،حالاں کہ اٹھارہ سال مکمل ہونے جا رہے ہیں۔

علم وحکمت اور صنعت وحرفت کے اعتبار سے ایک انتہائی پس ماندہ علاقے سے متعلق ہونے کے باوجود آپ نے عوام وخواص میں وعظ وخطابت اور تبلیغ واصلاح کے حوالے سے جو ایک قابل قدر شناخت ، زبردست پذیرائی وہر دلعزیزی اور بے پناہ شہرت ونا موری حاصل کی تھی وہ کسی خاندانی یا آبائی نسبت کی وجہ سے نہیں بلکہ دین وسنیت کی بے لوث خدمات اور پر تاثیر وعظ وخطابت کے باعث تھی جو خداوند کریم کے بے حساب فضل واحسان کا نتیجہ تھا ۔ مغربی آسام، جلپائی گوڑی، سکیم ، بھوٹان، دار جلنگ ، بنگال سے متّصل نیپال کا علاقہ ، اتر دیناج پور ، کشن گنج ، پورنیہ، مالدہ، ضلع دکھِن دیناج پور وغیرہ کے اکثر علاقوں میں وعظ وخطابت کے لیے آپ کا مسلسل آنا جانا اور دنیائے خطابت کی ایک نمایاں شناخت بن کر عوام وخواص کے ذہن وفکر پر اپنی سحر بیانی کا ایک انمٹ نقشہ چھوڑنا یقینا کسی ذاتی کسب وکوشش کا نتیجہ نہیں ہوسکتا تھا بلکہ یہ خاص فضل خداوندی کی وجہ سے تھا۔ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

پیدائش: فاضل کی سند کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰/ نومبر ۱۹۴۹ء ہے، لیکن آپ ۱۹۴۷ء بتایا کرتے تھے ، شاید یہی درست ہے، آپ کا بیان ہے کہ میری پیدائش گوال گچھ گاؤں علاقہ ہقتیہ گچھ اپنے نانیہال میں ہوئی تھی ، اس وقت والد گرامی پنچ گڑھ موجودہ بنگلہ دیش میں کسی سرکاری مقدمے کا سامنا کرتے ہوئے جیل میں ڈال دیے گئے تھے، اس لیے میرے نانا جان نے میری والدہ کو اپنے پاس رکھ لیا تھا، لیکن میری پیدائش کے تقریبا چھ مہینے بعد والدہ بیمار پڑ گئیں اور سال بھر کے اندر ان کا انتقال ہوگیا۔اس کے کچھ دنوں کے بعد نانا بھی چل بسے اور میری خالہ جان نے ماں کی طرح میری نگرانی کی ، پھر جب والد گرامی کی رہائی عمل میں آئی تو وہ مجھ کو لے کر گھر آ گئے اور میری پرورش اور تعلیم وتربیت پر خاص توجہ فرمائی۔

تعلیم وتربیت: آپ کا تعلق ایک پڑھے لکھے خاندان سے تھا، آپ کے پردادا جناب تنویر علی ، دادا جناب حسین بخش اور بڑے چچا جناب رحیم بخش سب کے سب عالم دین تھے ، جب کہ آپ کے

والد ایک ماہر طبیب، دینیات سے واقف اور ایک قابل فارسی خواں وسنسکرت داں ہونے کے ساتھ ساتھ علماو بزرگوں کے صحبت یافتہ بھی تھے، یہی وجہ ہے کہ شدید مشقتوں کا سامنا ہونے کے باوجود انھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ احسن طریقے پر انجام دیا۔

حضرت بلبل بنگال نے ناظرہ کی تعلیم اپنے والد ماجد حکیم محمد خلیل الرحمٰن نقشبندی کے زیر سایہ حاصل کی تھی، پھر آپ کو اسکول میں داخل کر دیا گیا، پرائمری کے بعد والد ماجد نے آپ کو باضابطہ دینی تعلیم کے لیے فارغ کر لیا اور تحصیل علم دین کی خاطر گھر سے دور غالباً شہر بھجن پور موجودہ بنگلہ دیش کے ایک مدرسے میں داخلہ کرادیا۔ اس تعلیمی سفر کی داستان آپ نے ایک موقع پر یوں بیان فرمائی:

”جس مدرسے میں میرا داخلہ ہوا، وہاں کے اساتذہ میلاد و قیام عرس وفاتحہ وغیرہ سے منع کرتے تھے، اسی جگہ مدرسہ سے قریب ایک بزرگ کا مزار تھا، جہاں سالانہ عرس ہوتا تھا، ایک بار چند طلبہ کے ساتھ میں بھی چلا گیا، لیکن واپسی کے بعد مدرسے میں ان طلبہ کی سخت پٹائی کی گئی، چوں کہ وہاں کے عام لوگ سنی تھے، اس لیے جب یہ بات عام ہوئی تو مدرسے میں خوب ہنگامہ ہوا، اور کسی طرح معاملہ ختم ہوا، اس کے چار پانچ ماہ بعد والد گرامی جب مجھ سے ملنے کے لیے پہنچے تو انھیں مدرسہ کے اساتذہ پر وہابی ہونے کا گمان ہوا، اور میں نے بھی انھیں گزشتہ تمام حادثات سے آگاہ کر دیا، جس پر انھیں سخت رنج ہوا، وہ مجھے لے کر واپس گھر آ گئے۔ اب دو تین مہینے تک میں گھر پر ہی رہا، لیکن والد صاحب اس فکر میں پریشان تھے کہ اب کس مدرسے میں بچے کو داخل کیا جائے، اسی درمیان والد صاحب سے ان کے ایک دوست ملنے آئے، جن کا نام منشی شہاب الدین تھا، انھوں نے مجھے گھر پر یوں فارغ دیکھ کر والد صاحب سے پوچھا کہ بچے کی یہ عمر پڑھنے کی ہے، لیکن آپ نے اسے گھر میں بٹھا رکھا ہے؟ اس پر والد صاحب نے سارا ماجرا ان سے بیان فرمایا اور کہا کہ میں میلاد و قیام فاتحہ و عرس کرنے والا آدمی ہوں تو بھلا ایسے مدرسے میں اپنے بچے کو کیسے بھیج سکتا ہوں جس کے اساتذہ وہابی خیال کے ہیں۔ اب کوئی سنی مدرسہ ملے گا تو وہاں بھیج دوں گا ورنہ اسکول میں پڑھانے کا ارادہ ہے۔

استاذ العلما حضرت مفتی نصیر الدین نعیمی پناسوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں: اس پر منشی جی نے کہا کہ آپ بچے کو ”چنامنا“ میں بڑے مولانا صاحب یعنی استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی نصیر الدین نعیمی اشرفی پناسوی علیہ الرحمہ، شاگرد رشید حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی و مرید و خلیفہ شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی علیہما الرحمہ [جو پورے اطراف میں بڑے مولوی صاحب کے لقب سے عوام وخواص میں مشہور تھے اور مدرسہ اسلامیہ عارفیہ چنامنا، علاقہ پوٹھیا سابق ضلع پورنیہ موجودہ ضلع کشن گنج صوبہ بہار، کے صدر المدرسین تھے۔ ان کی علمی شہرت سن کر دور دراز علاقے سے لوگ اپنے بچوں کو وہاں تحصیل علم دین کے لیے بھیجتے تھے] کے پاس کیوں نہیں بھیج دیتے؟ جن کے پاس علاقہ کے تمام بچے پڑھتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چلیے، بچے کو ان کے پاس چھوڑ آتے ہیں، چنانچہ والد صاحب دوسرے ہی دن مجھے ساتھ لے کر منشی شہاب الدین صاحب کے ساتھ چنامنا حاضر ہوئے اور بغرض تعلیم و تربیت حضرت بڑے مولانا صاحب کے سپرد کر دیا، جہاں اس مشفق استاذ کی دینی و علمی تربیت نے مجھے وہاں پہنچایا جو رب تعالیٰ کو منظور تھا۔ آپ [بلبل بنگال] منشی شہاب الدین صاحب مرحوم کو اکثر دعاؤں کے ساتھ یاد فرماتے کہ اللہ ان کا بھلا کرے کہ وہ میرے حق میں خضر راہ ثابت ہوئے تھے، اگر ان کی رہنمائی مجھے میسر نہ آتی تو پتہ نہیں میرا کیا حال ہوتا۔

فارسی، عربی، صرف و نحو اور فقہ کی بنیادی کتابیں شرح وقایہ و شرح جامی تک آپ نے یہیں مدرسہ عارفیہ چنامنا میں رہ کر حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ سے پڑھیں، پھر اس کے بعد مبارک پور تشریف لے گئے۔ اب سفر مبارک پور کی مختصر کہانی انھیں سے سنیے، فرماتے ہیں:

” ہمارے علاقہ کے دو لڑکے مبارک پور میں رہتے تھے، ان سے میری اچھی جان پہچان تھی، ایک بار جب وہ رمضان کی چھٹی میں گھر آئے تو مجھے اس بات پر تیار کر لیا کہ ان کے ساتھ میں بھی مبارک پور چلوں۔ اس وقت میری عمر ۱۶ یا ۱۷ سال کی رہی ہوگی، میں بھی اتر پردیش بغرض تحصیل علم جانے کا سخت متمنّی تھا، اس لیے یہ ایک اچھا موقع تھا، جب کوئی ساتھ لے کر جانے کے لیے تیار تھا، مجھے لگا کہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہیے، لہٰذا اس بات کی اطلاع جب میں نے والد گرامی کو دی تو وہ راضی نہ ہوئے، لیکن میں نے ان کو بمشکل راضی کر لیا اور ان کی اجازت حاصل کر لی۔ بعد رمضان مذکورہ دونوں لڑکوں کے ساتھ ہم تین نئے لڑکے مل کر تقریباً ۲۰ یا ۲۲ شوال کو مبارک پور کے لیے

عازم سفر ہوئے، اور بخیر وعافیت مبارک پور پہنچے، لیکن جن دو لڑکوں کے ہمراہ ہم مبارک پور گئے تھے انھوں نے ہمارا داخلہ مدرسہ احیاء العلوم میں کرادیا، جہاں داخل ہونے کے بعد پتہ چلا کہ یہ دیوبندیوں کا مدرسہ ہے، جس سے مجھے سخت الجھن لاحق ہوئی، کیوں کہ میں اس وقت تک دیوبندیوں کے عقائد کے بارے میں اگرچہ کچھ خاص نہیں جانتا تھا، لیکن والد گرامی کے ذریعہ پہلے ایک مدرسہ سے اس بنیاد پر نکال لیے جانے کا واقعہ میرے ذہن ودماغ میں تازہ تھا، اس لیے خوف زدہ بھی تھا اور رنجیدہ بھی۔ بہر حال کسی سے کچھ نہ کہا، لیکن وطن سے دور جانے کا پہلا تجربہ، نہ گھر کی کوئی خیریت سنانے والا، نہ اپنے پاس خرچ کے لیے پیسے اور نہ ہی مدرسے کا کھانا پینا مجھے راس آیا، بالآخر طبیعت بگڑ گئی اور بمشکل وہاں قربانی تک رہا، اس کے بعد مدرسہ چھوڑ کر گھر چلا آیا اور دوبارہ چیناما پہنچ کر استاذ المکرم حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچ کر تقریبا ڈیڑھ یا دو سال اکتساب علم کیا۔

غالبا سن ۱۹۶۹ء میں آپ اپنے استاذ گرامی کے حکم پر تکمیل درجۂ فضیلت کے لیے دیار امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا رضی اللہ عنہ میں واقع جامعہ منظر اسلام بریلی شریف پہنچے اور ۱۹۷۱ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی، اسی سال مدرسہ فیض العلوم شاہجہاں پور سے اتر پردیش مدرسہ بورڈ کا فاضل امتحان پاس کیا اور گھر واپسی کے بعد ۱۹۷۲ء کی ابتدا میں آپ کی شادی بھی ہوگئی۔ ۱۹۷۳ء میں آپ کے والد ماجد حکیم خلیل الرحمٰن کا انتقال ہوگیا جس بنا پر آپ کو وطن ہی میں رہنے کو ترجیح دینا پڑا، دوسری وجہ یہ ہوئی کہ فراغت کے بعد اپنے استاذ حضرت نصیر ملت علیہ الرحمہ سے ملنے پہنچے تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ اپنے علاقے ہی میں دین کی خدمت کرو، اللہ بہت نوازے گا۔

اساتذہ ومشائخ اور قابل ذکر احباب: آپ کے اساتذہ میں والد ماجد حضرت حکیم خلیل الرحمٰن، نصیر ملت حضرت مفتی نصیر الدین نعیمی پناسی، حضرت مولانا مشیر الدین چیناما، بحر العلوم حضرت علامہ مفتی افضل حسین مونگیری علیہم الرحمہ قابل ذکر ہیں۔ حضرت مولانا سید مجتبیٰ اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سلسلۂ قادریہ چشتیہ اشرفیہ میں مرید اور حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ سے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ رضویہ سے طالب تھے، اوراد ووظائف کی اجازت دونوں ہی بزرگوں سے حاصل تھی۔

آپ کے بیان کے مطابق آپ کو مختلف مقامات پر جن بزرگوں کی مجلس میں حاضری وزیارت نصیب ہوئی ان میں سے کچھ قابل فخر ہستیاں یہ ہیں:

مجاہد ملت حضرت مفتی حبیب الرحمٰن اڑیسوی، مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، ریحان ملت حضرت علامہ مفتی ریحان رضا خاں بریلوی، پاسبان ملت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی، شیخ الاصفیا حضرت مولانا سید مصطفیٰ اشرفی کچھوچھوی، امام النحو حضرت علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، امین شریعت حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین کانپوری وغیرہم نور اللہ مرقدہم۔

آپ کے قابل رشک چند احباب کے اسمائے گرامی یوں ہیں:

شارح بخاری حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی، امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، امام النحو حضرت علامہ مفتی بلال احمد پورنوی، استاذ العلما حضرت علامہ عبد الرحیم صاحب منظری رام گنج، حضرت مولانا تسلیم الدین رضوی کوسیاری پوٹھیا، حضرت مفتی بشیر الدین رضوی پوٹھیا، مصلح ملت حضرت مولانا تمیز الدین اشرفی صاحب سلی گوڑی، عالم باعمل حضرت مولانا سید یونس علی رضوی رام گنج، حضرت مولانا احمد حسین نوری لکھی پور علیہم الرحمہ اور حضرت مفتی عظیم الدین صاحب رضوی ٹھاکر گنج اور حضرت مفتی بشیر الدین صاحب رضوی دامت برکاتہم العالیہ رام گنج اتر دیناج پور۔

دینی خدمات: آپ کے والد گرامی ایک ماہر طبیب وحکیم تھے، ان کی حکمت وطبابت بھی خوب چلتی تھی، لیکن بنیادی طور پر آپ کا آبائی پیشہ زراعت وکاشتکاری تھا، چنانچہ والد گرامی نے زمین وجائداد میں سے ایک قابل ذکر حصہ چھوڑا تھا اور آپ خود ایک ماہر کاشتکار کی طرح ہر کام بحسن وخوبی انجام دینا جانتے تھے، بلکہ اکثر دیکھا جاتا تھا کہ رُپائی، بوائی وکٹائی کے دنوں میں آپ مزدوروں کے شانہ بشانہ اپنی کھیتوں میں کام کرتے ہوئے نظر آتے تھے، اس سے ذرہ برابر ہچکچاتے نہیں تھے۔ والد گرامی سے فن طب بھی سیکھ رکھا تھا، لیکن آپ نے خدمت دین متین کا مشغلہ اپنایا اور تاحین حیات اسی پر گامزن رہے۔

جس زمانے میں آپ عالم دین بن کر واپس وطن تشریف لے آئے اس وقت یہاں علما وفضلا بہت کم تھے، مساجد ومدارس بھی خال خال تھے، عوام کو اس سے کوئی خاص دل چسپی نہ تھی کہ اپنے بچوں کو دینی علم سے آراستہ کرنا چاہیے، البتہ نیم خواندہ یا ناظرہ خواں حضرات

جن کو ہمارے یہاں "منشی جی " کہا جاتا ہے، کسی کسی گاؤں میں ہوتے تھے ، جو جمعہ ، عیدین ، جنازہ اور میلاد خوانی وغیرہ کے لیے تلاش کرکے لائے جاتے تھے اور اس طرح کام چل جاتا تھا۔ اس لیے بھی بحیثیت عالم دین آپ کے لیے یہ ضروری ہوگیا تھا کہ گھر ہی میں رہیں اور اپنے قرب وجوار میں دینی خدمات انجام دیں۔

ابتداً گھر سے لگ بھگ دس کیلو میٹر کی دوری پر ایک گاؤں میں امامت اور بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ہی ساتھ نوجوانوں کو بھی اس طرف راغب کرنا شروع کیا، چوں کہ عمدہ اخلاق وکردار کے ساتھ آپ اپنی پرکشش و سحر انگیز آواز کے ذریعے زمانہ طالب علمی ہی سے لوگوں میں ایک پہچان بنا چکے تھے، اس لیے دن بدن مقبول ہوتے چلے گئے۔ عالم یہ تھا کہ صرف آپ کو سننے کے لیے کچھ لوگ اپنے اپنے گھروں میں محفل میلاد شریف کا اہتمام کرتے تھے، اس طرح شروع میں چھوٹے چھوٹے جلسے اور دینی پروگراموں میں مقبول ہوئے ، پھر یہ مقبولیت اس درجہ بڑھی کہ آپ بلبل بنگال کے لقب سے افق خطابت کا مہر درخشاں بن گئے۔

میدان خطابت میں: جس زمانے میں جلسوں کا موجودہ چلن عام نہیں تھا، جلسوں کا اسٹیج ، پنڈال، روشنی اور مائک اور ساؤنڈ وغیرہ بھی موجودہ معیار کا نہیں ہوتا تھا، بلکہ اکثر جگہ بجلی بھی نہیں پہنچی تھی، نہ آج کی طرح ہر جلسے کا اشتہار چھاپ کر اس کی تشہیر ضروری سمجھی جاتی تھی، ہاں لوگ دین وسنت کے قدر داں ضرور تھے اور علمائے دین کا ادب واحترام بھی خوب تھا، حضرت بلبل بنگال علیہ الرحمہ اسی دور کے مذہبی اسٹیج کا ایک معروف و مقبول اور ذمہ دار چہرہ ہوا کرتے تھے کہ جس جلسے میں آپ شرکت فرماتے خلق خدا آپ کو سننے کے لئے ٹوٹ پڑتی۔

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد بشیر الدین رضوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

"بلبل بنگال کی شخصیت بنگال وبہار میں محتاج تعارف نہیں، گو آپ کے وصال کے دیکھتے دیکھتے پندرہ سال بیت گئے، مگر آج تک ان کی یادیں دل ودماغ میں تروتازہ ہیں، اور کیوں نہ ہوں؟ آپ خطابت کی دنیا میں اس قدر بڑھے کہ بڑھتے چلے گئے ، پھیلے تو پھیلتے چلے گئے، چمکے تو چمکتے چلے گئے۔ مقبولیت اتنی کہ نام سنتے ہی اطراف سے لوگ امنڈ پڑتے ، مجمع پر گرفت اتنی کہ جو بیٹھے ہیں تو بیٹھے ہی ہیں، اٹھنے کا نام نہیں، جو باہر کھڑے ہیں آواز سنتے ہی پنڈال میں آکر سمٹ سمٹ کر بیٹھ جاتے۔ قدرت نے اپنی فیاضی سے انھیں ایسی خوش الحانی عطا فرمائی تھی کہ اب تک ان کا ثانی دور دور تک نظر نہیں آتا، ہنستے ہنساتے بھی ایسی کام کی باتیں کہہ جاتے تھے، جو سامعین برسوں یاد رکھتے، غرض کہ وہ بہت ساری گوناگوں خوبیوں کے حامل تھے۔[تقریظ بر تالیف راقم۔قہر ربانی]

حضرت مفتی صاحب قبلہ نے ہی ایک موقع پر راقم سے فرمایا کہ پوٹھیا علاقے میں ایک بہت بڑی کانفرنس میں شرکت کا اتفاق ہوا، جس میں ملک کے نامور شعرا وخطبا مدعو تھے، لیکن لوگ بلبل بنگال کو سننے کے لیے بے تاب تھے، چنانچہ آپ کا اعلان ہوا اور آپ اسٹیج پر تشریف لائے، آپ کو دیکھتے ہی مجمع پرسکون اور ہمہ تن گوش ہوگیا، پھر آپ اپنے مخصوص انداز میں جب شروع ہوئے تو ساون بھادو کی طرح برستے چلے گئے اور جیسے ہی آپ کا خطاب مکمل ہوا مجمع ٹوٹنے لگا، اس منظر کو دیکھ کر اتر پردیش سے آئے ہوئے ایک مشہور شاعر جو اس جلسے میں مدعو تھے ،انھوں نے مائک پر ہی کہا کہ جب ایسے پڑھنے والے اور ایسی آواز کے مالک آپ کے یہاں ہی موجود ہیں تو ہم جیسوں کو بلاکر شرمندہ نہ کریں، واللہ میں نے ایسی زبردست آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔

آپ کے وعظ وخطابت کی خصوصیات: آپ جب کرسی خطابت پر تشریف فرما ہوتے تو دعا میں ڈاکٹر اقبال کے یہ اشعار نہایت ہی سوز وگداز کے ساتھ ضرور پڑھتے۔

یارب! دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرّے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دِکھلا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے
پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے

اس کے بعد خطبۂ مسنونہ اور درود شریف پڑھ کر اپنی جادو بھری آواز میں جب کوئی نعت شریف پڑھنا شروع کرتے تو یک بیک پورا مجمع

گلزار ہوجاتا اور نعرہ وداد وتحسین کی صدائیں بلند ہونے لگتیں، پھر اپنے مخصوص لب ولہجے میں متعلقہ موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے آگے بڑھتے، جہاں کہیں موقع آتا بنگلہ اردو یا فارسی کا کوئی شعر گنگنا دیتے، اسی طرح سبق آموز لطیفے درمیان گفتگو شامل کرکے گدگداتے ہوئے اہل محفل کو درس عبرت دیتے۔ آپ عموماً ہر جلسے کے آخری خطیب ہوتے، کیوں کہ آپ کی تقریر کے بعد مجمع ٹوٹ جاتا تھا، اس لیے دیگر خطبا و شعرا پہلے فارغ کر دیے جاتے، پھر آپ ہوتے اور سامعین۔

آپ کی تقریر میں عموماً انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ومعجزات اور اولیاے عظام کے حالات وکرامات کا ذکر ہوتا، نہ صرف ذکر بلکہ اس کے ذریعے آپ اثبات موقف اہل سنت کا کام لیتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ عام مجمع میں تقریر عوام الناس کے لیے ہوتی ہے اور عوام فنی گفتگو میں دلچسپی نہیں رکھتی، وہ واقعات وحکایات سے زیادہ انسیت رکھتی ہے، اس لیے اسلاف کرام کے مستند اور سبق آموز قصے زیر بیان لانا چاہیے اور بیان کردہ واقعہ میں جو سبق پنہاں ہوتا ہے، اسے دلنشین پیرائے میں بیان کرنا چاہیے، یہی اصل میں وعظ ہے۔ آپ کو فارسی اشعار میں گلستاں، بوستاں، مثنوی مولانا روم، میں حدائق بخشش، کلیات اقبال اور حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام سے بکثرت اشعار ازبر تھے جو درمیان خطاب ترنم میں پڑھتے بھی تھے، جب کہ بنگلہ زبان کے نعتیہ اشعار وافر مقدار میں یاد تھے، بلکہ بنگلہ زبان میں آپ کے اپنے کہے ہوئے اشعار بھی ہیں۔ اسی طرح سنت کبیر کے دوہے اور سنسکرت وانگریزی الفاظ بھی دوران گفتگو موقع کی مناسبت سے استعمال فرماتے، جس سے سامعین کی دلچسپی بڑھتی اور وہ خوب محظوظ ہوتے۔

مبدءِ فیاض نے آپ کو ایک انوکھی نوعیت کی آواز سے نوازا تھا، جس میں بے شمار صوتی محاسن بیک وقت جمع تھے اور اس وصف میں بچپن ہی سے ممتاز ومنفرد تھے، چنانچہ دوران تعلیم مدرسہ عارفیہ چنامنا میں آپ کو استاذ گرامی نصیر ملت حضرت مفتی نصیر الدین علیہ الرحمہ بلبل کہہ کر پکارتے تھے اور اساتذہ وطلبہ میں اسی سے مشہور بھی تھے اور سب سے پہلے آپ کو جس عظیم فرد نے بلبل بنگال کہا تھا وہ علاقہ رام گنج کی عظیم الشان شخصیت استاذ العلما حضرت مولانا عبدالرحیم منظری علیہ الرحمہ کی ذات گرامی تھی، یہ لقب انھوں نے اپنے استاذ نصیر ملت علیہ الرحمہ کی موجودگی میں دیا تھا، جس پر حضرت نصیر ملت نے نہ صرف ان کی تحسین فرمائی تھی بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ آج تم نے اپنے دوست کو ایک ایسا لقب دیا ہے جو صرف اسی پر صادق آتا ہے اور میری معلومات کے مطابق اس لقب کی یہ سب سے پہلی وضع ہے۔ چنانچہ جہان خطابت میں اللہ رب العزت نے آپ کو اسی لقب سے شہرت دوام عطا فرمائی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ سے قبل کسی خطیب کو بلبل بنگال نہیں کہا گیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بلبل بنگال کا دور خطابت: آپ کا دور خطابت باضابطہ طور پر ۱۹۷۵ء سے شروع ہوتا ہے اور ۲۰۰۲ء میں آپ کے وصال کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ پہلے پہل قرب وجوار میں منعقد ہونے والے چھوٹے بڑے پروگراموں میں مدعو کیے جاتے رہے، پھر دھیرے دھیرے یہ دائرہ وسیع ہوتا گیا اور ۱۹۸۰ء کے بعد برق رفتاری سے پھیلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک بہت بڑے خطے میں عظیم خطیب کی حیثیت سے معروف وہردلعزیز ہوگئے۔ چوں کہ آپ ایک علاقہ آشنا اور مزاج شناس تھے، تجربات نے بہت کچھ سکھا دیا تھا، اس لیے جس علاقے میں جاتے وہاں کی عام بول چال سے اندازہ کر لیتے کہ یہاں تقریر میں کس زبان کو حاوی رکھنا ہے اردو یا بنگلہ؟ چناں چہ بہار کے علاقے میں تشریف لے جاتے تو خطاب میں اردو وبھوجپوری زبان واشعار کا استعمال زیادہ اور بنگلہ کا استعمال کم کرتے، لیکن جب بنگال کے علاقے میں ہوتے تو بنگلہ کا استعمال زیادہ اور اردو کا استعمال کم کرتے، البتہ ہر جگہ ایسی تقریر فرماتے جو مختلف زبان ولہجہ اور اشعار وترنم کی حسین امتزاج ہوتی۔

بلبل بنگال کا دائرۂ خطابت: آپ کا گاؤں شہر اسلامپور سے پچاس کیلو میٹر پورب اتر تھانہ چوپڑا کے آخری سرے پر علاقہ ڈاسپاڑا میں واقع ہے، مستقل طور پر آپ یہیں رہتے تھے، لہٰذا اس زمانہ میں اجنبی لوگوں کے لیے آپ کے گھر تک پہنچنا ایک مشکل امر تھا، کیوں کہ اس وقت راستے اور سواری کی موجودہ سہولت مذکورہ علاقے میں نہیں تھی، گاؤں سے بازار تک پہنچنے کے لیے پانچ دس کیلو میٹر کی راہ پیدل طے کرنا عام بات تھی، راستے انتہائی خام، اکثر وبیشتر بیس تیس کیلو میٹر تک کا راستہ سائکل ہی سے طے کرنے میں عافیت سمجھی جاتی تھی یا پھر رکشہ یا بیل گاڑی وغیرہ کی مدد لی جاتی تھی، کسی کو اگر میت کی بھی اطلاع دینی ہوتی تو اس کے لیے گھر تک پہنچنا ناگزیر تھا، اسی طرح نہ موبائل کی چلن تھی نہ گاؤں میں ٹیلیفون تھا، خطوط بھی پہنچتے تھے تو تاخیر سے، لیکن قدر دان اور

چاہنے والے آپ کو تلاش کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ جاتے تھے اور ان کا آنا جانا مسلسل لگا ہی رہتا تھا، یہاں تک کہ آپ کی وفات تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور آپ آخری وقت تک اپنے چاہنے والوں کے بیچ آتے جاتے رہے جس کا دائرہ اس وقت کے حساب سے بہت وسیع تھا۔

یوں تو آپ بغرض خطاب بنگلہ دیش بھی جا چکے ہیں، لیکن اپنے ملک میں اتر دیناج پور، دکھن دیناج پور، دارجلنگ، جلپائی گوڑی، کوچ بہار، کشن گنج، پورنیہ، کٹیہار سمیت آسام، بھوٹان، مشرقی نیپال وغیرہ تک دینی جلسوں میں مدعو کیے جاتے رہے ہیں اور بکثرت جن مقامات پر تشریف لے گئے ان میں اُدلاباڑی، ہلدی باڑی، سکیم، سلی گوڑی واطراف، نکسلباڑی، دھولہ باڑی، گلگلیہ، بہادر گنج، ٹھاکر گنج، کشن گنج، کانکی دلکولہ، راساکھوا، رائے گنج، بالور گھاٹ، مالدہ، چکلیہ تھانہ، گوال پوکھر، اسلامپور وغیرہ مقامات اور ان کے ماتحت علاقے شامل ہیں۔

دینی واصلاحی خدمات: جب آپ نے میدان عمل میں قدم رکھا، علاقے میں غیر شرعی رسم ورواج کے خلاف کمر کس لی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس علاقے میں اس وقت مسلم سماج میں غیر شرعی رسوم عام تھے، مثلا لوگ گانے بجانے کی منتیں مانتے، جس میں ستیہ پیر کا گانا بہت عام تھا، نئے سال کی آمد پر طرح طرح کی خرافات کا مظاہرہ کرتے اور بڑے بڑے تالاب کے کنارے میلہ لگاتے، اونچے ٹیلے اور اور پرانے درختوں کے متعلق عجیب وغریب خیال رکھتے اور ان کی تعظیم کرتے، کھیتی کی بوائی اور کٹائی کے وقت ہندوانہ رسوم کا مظاہرہ کرتے، شادی بیاہ کے موقع پر مشرکانہ افعال کا ارتکاب کرتے، اسی طرح محرم کے دنوں میں ڈھول باجے، کھیل کود، لوگوں کا ٹیم بنا کر اور شکل بگاڑ کر گاؤں گاؤں گشت کرنا، تعزیہ نکالنا، عورتوں کا محرم کے دس دنوں میں مخصوص گانوں کا اہتمام عام تھا۔

ان حالات میں آپ نے علاقہ میں اصلاح عوام کا بیڑا اٹھایا، آپ نے ایک طریقہ کار یہ اپنایا کہ اپنے بعض ہم نواؤں کے لے کر اچانک کسی گاؤں میں پہنچ جاتے اور کسی کے یہاں میلاد شریف کی محفل رکھواتے، لوگوں کو جب آپ کی آمد کی اطلاع ہوتی تو مرد وعورت سبھی آپ کو سننے کے لیے اکٹھا ہو جاتے، پھر جب آپ اپنے مخصوص انداز میں بیان شروع کرتے تو ایک سحر سا طاری ہو جاتا اور سننے والے جب سیر نہ ہوتے تو اسی وقت کوئی دن منتخب کر کے جلسے کا پروگرام رکھ لیتے۔ اسی طرح آپ نے گاؤں گاؤں پہنچ کر آپ نے گانے بجانے کی محافل کے خلاف تحریک چلائی اور ان کی جگہ دینی جلسوں کا رواج عام کیا، جہاں مسجدیں نہ تھیں، مسجدیں قائم کیں، بچوں کی دینی تعلیم کے لیے مکاتب کو فروغ دیا، لوگوں کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے مدرسہ بھیجیں، عالم بنائیں۔ آپ بکثرت مساجد ومکاتب کے بانی تھے۔ آپ کی مخلصانہ کوششوں سے کتنے ہی جواری، شرابی اور گناہوں کے دلدل میں پھنسے رہنے والوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ فرمائی تھی اور کتنے ہی بے نمازی اور ودنیاداری میں منہمک رہنے والے افراد آپ کی ترغیب سے نمازی بن گئے تھے۔ ڈورس علاقے میں بہت سے غیر مسلم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، سلی گوڑی سے آگے اُدلاباڑی کا ایک شخص جو آبائی طور پر بہار کا رہنے والا تھا، وہ پہلے ہندو تھا، لیکن سلطان الہند سیدنا خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ سے کمال انسیت وعقیدت رکھتا تھا، اس نے آپ کی زبانی حضرت غریب نواز کی شان میں تقریر سن کر اسلام قبول کر لیا تھا، جس کا نام آپ نے غلام معین الدین رکھا تھا۔

رد وہابیت: رد وہابیت میں بھی آپ نے قابل ذکر کارنامہ انجام دیا ہے، بلکہ یہ پہلو زیادہ قابل ذکر ہے، اپنے علاقہ داسپاڑا میں سب سے پہلے وہابیت کا فتنہ سکندر نام کے ایک مولوی نے پھیلایا تھا۔ شروع میں سنیوں کی سختی کی وجہ سے ایک زمانے تک وہ اپنی وہابیت چھپائے رہا، پھر جب یہاں دو بڑے سرکاری مدرسے [مدن گچھ ہائی مدرسہ اور آساڑو بستی ہائی مدرسہ] قائم ہو گئے اور اس میں باہر سے دیوبندی وہابی مولوی بحیثیت استاذ آکر پڑھانے اور یہیں رہنے لگے تو مولوی مذکور نے ان کے ساتھ مل کر اپنے مذہب ومسلک کا پرچار کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ شعائر اہل سنت کے خلاف اس کی سرگرمیاں عوام کو پریشان کرنے لگیں، چوں کہ آپ مسلسل پروگرام میں منہمک رہتے اور دوسرا کوئی اس کے خلاف نوٹس لینے والا نہیں تھا، اس لیے اس کی حرکتوں کا جواب دینا بھی آپ ہی کے لیے ضروری ہو گیا تھا، لہٰذا آپ نے اس کو بھرپور جواب دیا اور اس کے ساتھ بحث ومباحثہ بلکہ مناظرہ کیا، جگہ جگہ رد وہابیت کے جلسے کرائے، جس میں خطابت کے لیے ابتدائی دور میں نصیر ملت حضرت مفتی نصیر الدین نعیمی، حضرت علامہ مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی اور ان کے بعد حضرت مولانا مفتی عظیم الدین رضوی باکھر ٹولی علاقہ ٹھاکر گنج بارہا تشریف لائے۔ علاقے میں

دیوبندیت اور وہابیت کی یلغار گرچہ بعد میں بہت سخت ہوتی گئی، لیکن جب تک آپ بقید حیات رہے دیوبندی مولویوں پر آپ کا خوف غالب رہا اور مجھے ایک معتبر آدمی نے بتایا کہ جس دن آپ کا وصال ہوا تھا اس دن دیوبندیوں کا ایک بڑا مولوی بشیر الدین قاسمی نے کہا تھا کہ آج سے ہمارے علاقے میں بریلویوں کا ایک چراغ بجھ گیا۔

شہر سلی گوڑی میں بھی آپ نے وعظ وارشاد کے ذریعے دین متین کا خوب کام کیا۔ اس شہر کی جامع مسجد جو چھوٹی مسجد کے نام سے مشہور اور قلب شہر میں واقع ہے اولا اس میں دیوبندیت کا بڑا اثر تھا، تبلیغی جماعت یہاں آیا کرتی تھی، حضرت مولانا تمیز الدین منظری کٹیہاری علیہ الرحمہ جب ایک ایڈیڈ ادارہ شمسیہ ہائی مدرسہ سلی گوڑی میں ٹیچر بن کر آئے تو اسی مسجد کے جوار میں رہنے لگے تھے، وہ ہر وقت نماز کے لیے مسجد تشریف لاتے اور نمازیوں سے جان پہچان پیدا کرتے، یہاں تک کہ کمیٹی نے آپ کو منصب امامت کے لیے منتخب کر لیا، انھوں نے بڑی حکمت عملی سے اس مسجد سے دیوبندیوں کے تسلط کو ختم کیا۔

حضرت بلبل بنگال جب اس علاقے میں تشریف لے جاتے تو اس مسجد میں ضرور جاتے، یہاں آپ کے جاننے والے بھی بہت تھے، اسی طرح آپ کی دوستی حضرت مولانا تمیز الدین علیہ الرحمہ سے بھی بہت پکی ہوگئی، آپ ان کی گزارش پر مہینے میں ایک بار جمعرات کے دن سلی گوڑی تشریف لے جاتے ، حضرت مولانا تمیز الدین صاحب علیہ الرحمہ کچھ مخصوص افراد کے یہاں دینی محفل منعقد کراتے ،جمعہ میں خطاب کراتے لوگوں سے فردا فردا مل کر دیوبندیت اور وہابیت کے خطرات سے آگاہ فرماتے ،اس طرح شہر سلی گوڑی میں حضرت مولانا موصوف کا دست وبازو بن کر آپ نے اہل سنت کی خوب خدمت فرمائی اور مسجد اور آس پاس کے علاقہ کو بدمذہبیت کے اثر سے آزاد کیا۔ حضرت مولانا تمیز الدین علیہ الرحمہ کی شہر سلی گوڑی میں اہل سنت کے حوالے سے بہت زیادہ خدمات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر غفران ورحمت کی بارش نازل فرمائے۔

رام گنج بازار کی جامع مسجد کی تاریخ بھی اس تناظر میں قابل ذکر ہے، لیکن یہ اس کا محل نہیں، مختصر یہ کہ علاقہ رام گنج کے بڑے مولانا اور استاذ العلما کہی جانی والی عظیم دینی وعلمی شخصیت حضرت علامہ و مولانا عبد الرحیم اشرفی منظری، عالم ربانی حضرت مولانا یونس علی رضوی گومادیگھی اور بلبل بنگال حضرت مولانا الیاس اشرفی علیہم الرحمہ نے اس مسجد کو دیوبندیوں کے چنگل سے بڑی محنت اور حکمت عملی سے آزاد کرایا تھا، جس کے لیے انھوں نے دیوبندیوں سے بڑے مناظرے ومباحثے کیے۔ حضرت علامہ و مولانا عبد الرحیم صاحب علیہ الرحمہ نے آپ پر یہ لازم کررکھا تھا کہ گھر پر موجود ہونے کی صورت میں جمعہ کی نماز اور سنیچر ومنگل کو ظہر کی نماز اسی مسجد میں ادا کریں، چنانچہ آپ ان کے حکم کی تعمیل پوری زندگی فرماتے رہے۔ بایں طور کہ ان دنوں میں آپ دس گیارہ بجے تک بذریعہ سائیکل رام گنج بازار کی مسجد میں پہنچ جاتے، جہاں صحن مسجد میں ایک چٹائی پر حضرت بڑے مولانا علیہ الرحمہ براجمان ہوکر آپ کا انتظار فرماتے، یا کبھی وہ بعد میں پہنچتے تو بلبل بنگال کو اپنا منتظر پاتے، دوسرے لوگ جب آپ دونوں کو دیکھتے تو چاروں طرف حلقہ بناکر بیٹھ جاتے اور ان حضرات کی دینی گفتگو سن کر ایسا محو ہو جاتے کہ جمعہ یا ظہر کی اذان ہی ان کی محویت توڑتی، پھر جماعت سے پہلے حضرت بلبل بنگال کا خطاب ہوتا، جس میں خاص طور پر اثبات عقائد اہل سنت اور تردید عقائد باطلہ پر گفتگو ہوتی، اسی دوران مسجد کے لیے چندہ بھی کر لیتے، یوں یہ مسجد تعمیر وترقی کی منزل سے بھی گزر رہی تھی اور بدمذہبوں کے تسلط سے بھی آزاد ہوتی جارہی تھی۔ الحمد للہ آج علاقے میں یہ اہل سنت کی قابل دید مسجدوں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح آپ علاقہ کے قصبات کی دوسری مسجدوں میں بھی وقتا فوقتا کبھی خود ہی چلے جاتے اور کبھی ذمہ داران مسجد مدعو کرکے آپ سے تقریر کراتے، جن میں اسلام پور، چوپڑا، سونا پور، باگڈوگڑا، نکسل باڑی، ٹھاکر گنج سلی گوڑی وغیرہ مقامات کی مسجدیں قابل ذکر ہیں۔

ذوق مطالعہ: حضرت بلبل بنگال علیہ الرحمہ کو دینی کتابوں کا مطالعہ بہت مرغوب تھا، وہ سفر میں بھی ہوتے تو اپنے ساتھ کوئی کتاب ضرور رکھتے، یا کسی بک اسٹال پر کوئی قابل مطالعہ کتاب نظر آتی تو خرید کر پڑھتے، آپ کے ذوق مطالعہ کا اندازہ آپ کے ذخیرۂ کتب سے لگایا جا سکتا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں گاؤں میں آگ لگ گئی تھی، جس کے سبب پورا گاؤں جل گیا تھا، اسی میں آپ کی اکثر کتابیں بھی نذر آتش ہوگئیں تھیں، بمشکل کچھ کتابیں بچی تھیں، جس کو راقم نے الحمد للہ اب محفوظ کر لیا ہے۔ آپ نے فرمائش کرکے کچھ کتابیں اپنے بڑے صاحبزادے مولانا شاہد رضا سے منگوائی تھیں، اسی کے ساتھ اس دور کے رسائل

وجرائد بھی آپ کے ذوق مطالعہ کے گواہ ہیں، مثلا ماہنامہ قاری دہلی، ماہنامہ حجاز دہلی، ماہنامہ استقامت کانپور، ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، ہفت روزہ نئی دنیا دہلی سمیت اور بھی کچھ ادبی ودینی رسالے ہیں جو اب بھی محفوظ ہیں جن کے آپ باضابطہ قاری رہے ہیں۔ آپ کا مکان کچا تھا، جس کے صحن میں ایک طرف آپ نے نماز و دیگر مصروفیات کے لیے جگہ مخصوص فرما رکھی تھی، وہیں سر کے اوپر طاقچوں میں کچھ ضروری کتابیں رکھی رہتیں، جب کبھی موقع ملتا تو کتابوں ہی میں منہمک نظر آتے اور بے شمار مصروفیات کے باوجود روزانہ اوسطا دو گھنٹے ضرور مطالعہ فرماتے۔

قریب کے گاؤں سے آپ کے علمی دوستوں میں تین لوگ حضرت مولانا عبدالحلیم رضوی منظری، حضرت منشی دیدار علی اور حضرت منشی الحاج کریم الدین ہر جمعہ و دوشنبہ کو صبح آٹھ یا نو بجے تک آپ کے پاس اکٹھے ہوتے اور دینی علمی باتیں شروع ہوتیں، کبھی کسی کتاب کے متعلق گفتگو ہوتی تو کبھی کسی دینی شخصیت پر چرچا ہوتا اور کبھی کسی مسئلے پر تبصرہ، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو جاتا، پھر نماز پڑھ کر سب مل کر کھانا کھاتے اور قریب کے بازار نندی گچھ ہاٹ تشریف لے جاتے، یوں ہی آپ کی زندگی تک یہ معمول جاری رہا۔ اسی طرح آپ محض علمی ذوق کی تسکین کے لیے اپنے گھر سے بیس کیلو میٹر دور اپنے محسن ومربی بڑے مولانا استاذ العلما حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کے یہاں ان کے گاؤں جاگیر سانپ نکلا پوسٹ رام گنج میں بکثرت جایا کرتے، کبھی کسی کتاب میں اگر کوئی ایسا مسئلہ آجاتا جس میں شبہہ ہوتا تو تسکین قلب کے لیے بھی انھیں کی طرف رجوع فرماتے، کبھی وہ بزرگ بھی جب اسی الجھن کا اظہار کرتے تو شمس العلما حضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کی گھر آمد کا انتظار کرتے اور جب وہ گھر آتے تو آپ دونوں مل کر سائیکل سے ان کے یہاں [گاؤں کوسیاری تھانہ پوٹھیا ضلع کشن گنج بہار]تشریف لے جاتے اور ان سے مسئلے کو سمجھتے۔ کتب تصوف کے مطالعہ سے بہت زیادہ شغف رکھتے تھے، چنانچہ کیمیائے سعادت، منہاج العابدین، کشف المحجوب، احیاء العلوم، ہشت بہشت [سب ترجمہ شدہ، احیاء العلوم اردو پہلی جلد ہی میسر تھی] وغیرہ آپ کے مطالعہ سے بار بار گزر چکی تھیں، یوں ہی حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی تصنیفات کے بہت دلدادہ تھے۔

بزرگان دین سے عقیدت: آپ کا قلب وجگر بزرگان دین کی عقیدت سے ہمیشہ معمور رہا۔ اکابر دین کے حالات وکرامات کے ہزارہا واقعات آپ کو یاد تھے اور آپ کی مجلسوں میں بھی بزرگان دین کے فضائل وکمالات کا تذکرہ ہی غالب رہتا، اپنی اولاد کو بھی عقیدت سلف صالحین کا خوب درس دیتے، اکثر ایسا ہوتا کہ اپنے بچوں کو لیے بیٹھ جاتے اور اکابر کی حکایات سناتے۔

بزرگان دین کے آستانوں کی حاضری کو بڑی سعادت گردانتے، ہر دو تین سال میں اجمیر شریف کا سفر ایک قافلے کے ساتھ بذریعہ بس فرماتے اور اسی سفر میں حضرت بختیار کاکی اور حضرت نظام الدین اولیا سمیت اولیاے دہلی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بریلی شریف میں بارگاہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حاضری کی سعادت حاصل کرتے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے علاقے سے بذریعہ بس اجمیر شریف کا پہلا سفر کرنے والے ۱۹۸۲ء یہی حضرت بلبل بنگال اور ان کے احباب کی ٹیم ہے جن میں حضرت علامہ و مولانا عبد الرحیم صاحب، حضرت مولانا یونس علی صاحب اور حضرت مولانا احمد حسین نوری صاحب سمیت درجن بھر سے زائد علما تھے اور پھر اس کے بعد گویا یہ ایک روایت بن گئی جو الحمدللہ اب بھی جاری ہے، ایک یاد رکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہمارے علاقہ سے بسوں کے ذریعے آنے جانے میں جن مزارات مقدسہ پر حاضری دی جاتی ہے اس کی فہرست بھی اولا مذکورہ بزرگوں کی ہی مرتب شدہ ہے، البتہ آج کل اس میں کچھ جگہوں کا اضافہ کیا گیا ہے اور کچھ جگہوں کو نکال دیا گیا ہے۔

سال دو سال میں بارگاہ سلطان الاولیا حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کچھوچھہ مقدسہ میں حاضری دیتے، ہر سال عرس کے موقع پر پابندی کے ساتھ پنڈوہ شریف میں واقع مخدوم الاولیاء حضرت علاء الحق پنڈوی وسعد اللہ پور مالدہ میں حضرت آئینۂ ہند علیہما الرحمہ کے آستانۂ پاک میں غلامانہ حاضری کی سعادت حاصل کرتے اور اپنے گھر پر بھی فاتحہ ونذر کا اہتمام فرماتے۔ اسی طرح محبت سرکار غوثیت مآب میں اس قدر سرشار تھے کہ روازانہ بعد نماز عشا یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاللہ کا وظیفہ پوری پابندی کے ساتھ پڑھتے اور گیارہویں شریف کے فاتحہ کا اہتمام ہر ماہ ضرور فرماتے۔

تصلب فی الدین: آپ تصلب فی الدین کی دولت سے بھی مالامال تھے، جان بوجھ کر کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتے جس کی وجہ سے آپ پر انگشت نمائی ہوتی یا علما کو لوگ ہدف طعن بناتے ۔ دیوبندیت، وہابیت وبد مذہبیت سے زبردست اجتناب، معمولات اہل سنت کے حد درجہ حامی وعامل اور مسلک اعلیٰ حضرت کے بے باک ناشر و ترجمان تھے۔ اکثر و بیشتر ایک شعر یوں پڑھتے ۔ دیوبندی وہابی مریں یا جلیں۔ مسلک اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام۔

اکابر اہل سنت کے گستاخوں سے ہمیشہ دور ونفور رہے ، ایک مشہور پیر صاحب [نام لینا مناسب نہیں] جو اپنے جلسوں میں آپ کو بکثرت مدعو کرتے تھے اور آپ کو بھی ان سے بہت عقیدت تھی، ان کے ساتھ ایک بار کار میں سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے متعلق گفتگو چل نکلی تو پیر صاحب نے کہا کہ ہمارے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نہیں بلکہ کوئی اور ہیں، اس بات پر آپ سخت رنجیدہ ہوئے اور ہمیشہ کے لیے اس پیر صاحب سے ناطہ توڑ لیا کہ اس کے بعد کبھی ان کے جلسے میں نہیں گئے۔

چپٹ ہاٹ ضلع دار جلنگ میں ایک شخص آپ کا بڑا گہرا دوست تھا جو پہلے دیوبندی خیالات سے متاثر تھا پھر آپ اور ایک پرانے عالم حضرت مولانا غلام یاسین رضوی صاحب مد ظلہ العالی کی مسلسل کوششوں سے وہ سنی بن گیا تھا، جس کے بعد سے وہ آپ کا گویا عاشق بن گیا تھا، کچھ عرصہ بعد آپ نے اس کو مقامی دیوبندی مولویوں کے ساتھ اچانک خوش گپیوں میں مبتلا دیکھا، جس سے آپ کو بڑا صدمہ ہوا، آپ نے دوبارہ پھر اس سے بات کی اور توبہ کرایا لیکن اس سے یہ کہا کہ جب تک آپ کی توبہ پر مجھے اطمینان کامل حاصل نہیں ہو گا آپ کے یہاں قدم نہیں رکھوں گا، وہ شخص بعد میں حالاں کہ دیوبندیوں کے ساتھ نہیں دیکھا گیا لیکن پھر بھی آپ اس کے یہاں دوبارہ اصرار کے باوجود بھی کبھی نہیں گئے۔

رام گنج بازار جامع مسجد کو جن دیوبندیوں کے چنگل سے آزاد کیا گیا تھا، ان کا سرغنہ قاری احمد اللہ نام کا شخص غلیظ ترین دیوبندی تھا، وہ حج کرنے گیا تو واپسی میں اپنے چچا کے لیے چار سوریال میں ایک خوبصورت چھڑی لے کر آیا، اس وقت تک ان لوگوں کا مسجد میں آنا جانا منقطع نہیں ہوا تھا، چنانچہ قاری مذکور ایک دفعہ اس چھڑی کو لے کر رام گنج منڈی کے روز ظہر کی نماز کے وقت مسجد میں آیا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے یہ چھڑی مدینہ شریف کے بازار سے خریدی ہے، حضرت مولانا علی اکبر نوری مد ظلہ العالی کا بیان ہے کہ حضرت بلبل بنگال بھی اس وقت وہاں موجود تھے، آپ نے آگے بڑھ کر اس چھڑی کا بوسہ لیا اور آنکھوں سے لگا لیا۔ قاری احمد اللہ نے کہا تعجب ہے میں حرمین طیبین سے ہو کر آیا آپ میرا ہاتھ نہیں چومتے اور ایک معمولی چھڑی کو چومتے ہیں؟ اس پر آپ نے اس کو جواب دیا کہ اس چھڑی کو میرے آقا ﷺ کے مبارک شہر مدینہ طیبہ سے نسبت ہے اور ہم پر لازم ہے کہ اس نسبت کی تعظیم کریں، کسی وہابی دیوبندی کو میرے آقا ﷺ سے کون سی نسبت ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، دیکھو میرے آقا کی نوازش کہ تمھارے ہاتھ سے اپنی نسبت کا فیض مجھ جیسے ناکارہ غلام تک پہنچا دیا اور تم خود وہاں پہنچ کر بھی اس سے محروم رہ گئے۔ یہ سن کر وہ مبہوت رہ گیا اور مجمع سے سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

وصال پر ملال: ۱۹۹۰ء کے بعد آپ کو درد سینہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا، جب معالج سے رجوع کیا تو ہائی بلڈ پریشر اور ہارٹ کی شکایت سامنے آئی، ڈاکٹر نے اسی وقت آپ سے کہہ دیا تھا کہ کثرت سفر اور زیادہ بولنا آپ کے لیے مضر ہے، مگر آپ کی ہر دلعزیزی اور عوام کا اصرار اس راہ میں مزاحم بن گیا، بلکہ پہلے کی بنسبت پروگرام میں اور تیزی آگئی، اس لیے بیماری کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی گئی ۔ ۲۰۰۰ء میں طبیعت میں بہت زیادہ فتور دکھائی دیا، اس بار ڈاکٹر نے شوگر اور گردے کی بیماری کی بھی نشاندہی کی اور مکمل طور پر علاج وآرام کا مشورہ دیا، جس سے آپ سمجھ گئے تھے کہ اب طبیعت بحال ہونے والی نہیں، تاہم پروگراموں میں جانا کم تو ہوا مگر متروک نہ ہوا، چنانچہ اس درمیان رائے گنج کے ایک جلسے میں تشریف لے گئے اور وہاں تقریر کے بعد غشی طاری ہو گئی، اس کے کچھ مہینے بعد ٹھاکر گنج علاقے میں بھی یہی حادثہ پیش آیا، ۲۰۰۲ء کے کسی مہینے غالبا گنجریا گاؤں یا اس کے قریب کسی دوسرے گاؤں کے ایک جلسے میں تشریف لے گئے ، جہاں دوران تقریر ہی بیہوشی طاری ہو گئی، ذمہ داران جلسہ نے اسلام پور ضلع اسپتال میں ایڈمٹ کرایا، جہاں دو تین دن کے علاج کے بعد گھر تشریف لے آئے، یہ آپ کی زندگی کا آخری تقریری پروگرام تھا، اس کے لگ بھگ دو مہینے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

وصال سے لگ بھگ پندرہ بیس روز پہلے ایک میلاد شریف

کے پروگرام میں گاؤں کے تمام لوگوں کو مدعو کیا اور سب کو امید زیست منقطع ہونے کی اطلاع دے کر دعا اور عفو درگزر کی گزارش کی ،اس کے بعد دھیرے دھیرے طبیعت میں نقاہت وگرانی آتی گئی اور وفات سے تین چار روز قبل سانس اکھڑنے کی وجہ سے لیٹنا سونا بہت مشکل ہوگیا، ۳؍ستمبر ۲۰۰۲ کی صبح کو آنگن میں ایک کرسی پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ دعا میں اٹھائے، خوب روئے اور اپنے اہل وعیال دوست واحباب کے لیے دعا فرمائی، اس کے بعد آنے والی یہ رات زندگی کی آخری رات تھی، سانسیں اکھڑ چکی تھیں، کھانا پینا بھی ترک ہو چکا تھا ،بس اہلیہ سے پان کی فرمائش کرتے اور بار بار استغفار فرماتے، گھر کے سب لوگ رات بھر جاگتے رہے اس درمیان جس کو نصیحت وصیت کرنی تھی کردی۔ ۴؍ستمبر کی صبح نماز فجر سے فارغ ہوئے تو گھر والے اور دوست واحباب مل کر آپ کو اسلام پور ضلع اسپتال لے گئے، جہاں صبح دس ۱۰ بجکر ۴۰ منٹ پر آخری سانس لی اور زبان سے لفظ اللہ نکالتے کے ساتھ جان جاں آفریں کے حوالے کردی۔ اناللہ واناالیہ راجعون۔ عمر شریف کل ۵۵؍ سال کی ہوئی۔

آپ کے وصال کی خبر پورے علاقے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ہر طرف سے محبت کرنے والوں کا ہجوم امنڈ آیا دوپہر ۱۲؍بجے کے بعد جسد مبارک گھر پہنچا، بھیڑ کی وجہ سے طے پایا کہ آج ہی تجہیز وتدفین کا فریضہ ادا کردیا جائے، چنانچہ تین بجے تک جنازہ تیار ہوگیا، حاضرین کا بیان ہے کہ اس کے بعد آسمان میں ہلکا بادل امنڈ آیا، اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ پرنالے بہ گئے، لوگوں نے اس سے یہ اشارہ سمجھا کہ ان کی وفات کے غم میں شاید آسمان بھی شریک زاری ہے۔ عصر کے وقت جنازہ نندی گچھ اسکول میدان پہنچا ،جہاں ہر طرف لوگوں کا ریلہ تھا، لوگوں کا اندازہ پندرہ بیس ہزار کے قریب قریب کا ہے ،جو اس قلیل وقت میں جمع ہوگئے تھے ،علاقہ کے علماومشائخ بھی بکثرت تشریف لائے ،لیکن آپ کی زندگی کے سب سے قریبی مخلص اور وفاشعار دوست استاذ العلماحضرت مولانا عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمہ کو نماز جنازہ کی امامت کے لیے آگے بڑھایا گیا، وہ جنازہ سے قریب ہوتے ہی بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے اور چند جملے یہ کہے کہ آہ بلبل تم ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے! مجھ سے پہلے دنیا سے جانے کی بات کرتے تھے اور وہی کیا، تمھارے بغیر اب یہ زندگی بدمزہ وبے نور ہوگئی۔ پھر انھوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور مغرب سے قبل نندی گچھ بازار سے متّصل اپنے گاؤں کے عام قبرستان کے کنارے لب روڈ آپ کی بتائی ہوئی جگہ میں آپ کو سپرد خاک کردیا گیا۔

شادی اور اولاد: ۱۹۷۲ء کی ابتدا میں آپ کی شادی چندہ گچھ گاؤں پوسٹ لکھی پور ضلع اتر دیناج پور کے ایک متمول گھرانے میں ہوئی تھی، آپ کے دادا خسر منشی رحمت اللہ مرحوم جو اپنے وقت کے ایک ذی حیثیت آدمی تھے اور علماے دین سے بہت عقیدت رکھتے تھے، انھوں نے اپنی پوتی کو آپ کے حبالۂ عقد میں دے کر آپ سے ایک دائمی رشتہ جوڑ لیا تھا اور یہ ایک بہترین رشتہ ثابت ہوا، بحمدہ تعالیٰ آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے لیے ایک وفا شعار بیوی ثابت ہوئی اور بحیثیت عالم دین آپ کے حقوق اوراحترام کا بھرپور خیال رکھا، یہاں تک پوری زندگی میں آپ کے لیے کبھی کسی تلخی کی باعث نہیں بنی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چھ بیٹے [مولانا محمد شاہد رضا، محمد تحسین رضا، محمد حسنین رضا، راقم محمد احمد رضا مصباحی، محمد مسعود رضا، محمد محمود رضا] اور دو بیٹیاں سمیت کل آٹھ اولاد سے نوازا، جن کی عمدہ پرورش وپرداخت اور اچھی تعلیم وتربیت میں آپ نے بہتر سے بہتر کوشش فرمائی، جس کی بدولت الحمدللہ آج سبھی لوگ اپنے دائرے میں اچھی پوزیشن میں ہیں۔

حضرت بلبل بنگال علیہ الرحمہ کی شخصیت کی یہ ایک نہایت ہی مختصر اور نامکمل سرگزشت ہے جس کو "سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور"، کے ذمہ داران کے شفقت آمیز حکم پر بعجلت ٹوٹے پھوٹے جملوں کا لباس پہنایا گیا، امید ہے کہ قبولیت نصیب ہوگی۔ حالاں کہ حضرت کی حیات وخدمات کی داستان پچھلے دو سال سے جمع وترتیب کے مرحلے میں ہے، لیکن وطن سے دور ہونے کی وجہ سے اس کی تکمیل میں ابھی تاخیر ممکن ہے۔

قابل صد مبارک باد ہے "سہ ماہی پیغام مصطفیٰ" کی پوری ٹیم کہ اس دور اسلاف بیزاری میں اسلاف شناسی کا اتنا بڑا قدم اٹھا کر قوم کا رشتہ اکابر ملت سے جوڑنے کا عزم مصمم کیا ہے، مولا تعالیٰ توفیق خیر سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ سیدالمرسلین ﷺ، وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.☆ ☆ ☆

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے موصول ہونا ضروری ہیں

کتاب : اشرف الاولیا: حیات وخدمات
مولف : مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی
صفحات : ۲۷۲
سن اشاعت: چوتھا ایڈیشن ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء
ناشر : تاج الاصفیا دار المطالعہ مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف مالدہ بنگال
مبصر : محمد ساجد رضا مصباحی

خانوادۂ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ ہندوستان کا عظیم علمی وروحانی خانوادہ ہے ، اس خانوادے میں علم وادب اور معرفت وروحانیت کی بڑی عظیم اور عبقری شخصیتیں جلوہ گر ہوئیں ، جنہوں نے خلق خدا کی رشد وہدایت کے ساتھ علم وادب کے فروغ میں بھی اہم کارنامے انجام دیے ۔ خانوادۂ اشرفیہ کی انھیں ممتاز ، عہد ساز اور نابغۂ روز گار شخصیات میں ایک چمکتا دمکتا نام شیخ طریقت ، اشرف الاولیا علامہ الشاہ سید مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی قدس سرہ کا ہے ، آپ اپنے عہد کے عبقری عالم وفاضل ، بے مثال شیخ طریقت ، باکمال واعظ وخطیب ، کام یاب مناظر ومتکلّم اور دین وسنیت کے سچے داعی ومبلغ تھے ۔

زیر تبصرہ کتاب **"اشرف الاولیا: حیات وخدمات"** خانقاہِ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کے اسی بطل جلیل کی حیات وکارنامے پر مشتمل ہے ، آپ کی حیات وخدمات پر یہ اولین کاوش ہے ، اس سے قبل تحریری شکل میں آپ کے نقوش حیات محفوظ نہیں تھے ، اس کتاب کے مؤلف جواں سال عالم ومحقق ، کئی کتابوں کے مصنف ، اتر پردیش کی اہم دینی درس گاہ ادارۂ شرعیہ اتر پردیش رائے بریلی کے استاذ ومفتی اور شیخ الحدیث ، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ممتاز فاضل حضرت مفتی محمد کمال الدین اشرفی مصباحی ہیں ، مولف محترم نے حضرت اشرف الاولیا کی حیات وخدمات کی جمع تدوین میں کس قدر عرق ریزی فرمائی ہے ، اس کا صحیح اندازہ کتاب کے مطالعے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے ، کتاب کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اب تک اس کے تین ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں ، چوتھا ایڈیشن منظر عام پر ہے ۔ بنگلہ سمیت کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں ۔

۲۷۲ ر صفحات پر مشتمل اس گراں قدر تالیف میں بارہ ابواب ہیں ، باب اول ابتدائیہ کے نام سے ہے ، جس میں شرف انتساب ، نذر عقیدت ، سخن ہائے گفتنی ، اظہار تشکر اور عرض ناشر وغیرہ شامل ہیں ۔

دوسرا باب عہدِ حاضر کے جلیل القدر علما ومشائخ ، اصحاب فکر وقلم اور اہل علم ودانش کی گراں قدر تقریظات پر مشتمل ہے ، کسی ایک تالیف میں اس قدر کثیر تعداد میں ملک بھر کے مستند علما ومشائخ کی تقریظات کا شامل ہونا یقینا نادر ہے ، یہ تقریظات جہاں کتاب کی عظمت وافادیت میں چار چاند لگاتے ہیں ، وہیں مؤلف کی سعادت مندی ، اخلاص ووفا اور علما مشائخ کے مابین بے پناہ مقبولیت کی بھی دلیل ہیں ۔ اس باب میں شہزادۂ گرامی حضرت مولانا سید جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی مصباحی سربراہ اعلیٰ مخدوم اشرف مشن

پنڈوہ شریف، بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی مبارک پوری [رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ]، محدث جلیل حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی مدظلہ العالی، سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور، خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد اعظمی مصباحی سابق صدرالمدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، سراج الفقہا حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور، نصیر ملت حضرت علامہ نصیر الدین عزیزی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ماہر لسانیات ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی، مولانا آزاد یونی ورسٹی حیدر آباد ،عالم ربانی حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی ، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو کی گراں قدر تقریظات شامل ہیں ، یہ دل پذیر تقریظات ۳۳ر صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔

باب سوم تاثرات کے عنوان سے ہے ،جس میں ہندوستان کے مرکزی اداروں کے چوٹی کے اساتذہ اور مقدس خانقاہوں کے ذی علم مشائخ عظام کے تاثرات شامل ہیں،ان تاثرات سے حضرت اشرف الاولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات وخدمات کے اہم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اور آپ کی تہ دار شخصیت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں ، اس باب میں حضرت علامہ سید مقصود اشرف اشرفی جیلانی جائسی ، مولانا سید محمد احمد اشرفی جیلانی جائسی، مولانا عبد الودود فقیہ رائے بریلوی، علامہ عبد المبین نعمانی مصباحی چریا کوٹ، مفتی بدر عالم مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا ناظم علی مصباحی اساتذۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، مولانا طاہر مصباحی کولکاتا، مولانا ممتاز عالم مصباحی شمس العلوم گھوسی مئو یوپی، مولانا ڈاکٹر عاصم اعظمی گھوسی ،مولانا رضوان احمد نوری شمس العلوم گھوسی، مفتی رضاء الحق اشرفی مصباحی ،مولانا مفتی شہاب الدین اشرفی جامعی جامع اشرف کے تاثرات شامل ہیں۔

باب چہارم حیات وخدمات کی شہ سُرخی کے ساتھ ۱۲ر صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں پیش لفظ، کلمات تقدیم اور حرف آغاز شامل ہیں ،پیش لفظ میں معروف صحافی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے تذکرہ نگاری کے حوالے سے بیسویں صدی عیسوی کی سرگرمیوں اور اس عہد میں ہونے والے کاموں کی نوعیت بیان کرتے ہوئے حضرت اشرف الاولیا کی علمی وروحانی عظمتوں کو اجاگر فرمایا ہے۔ صاحب تذکرہ حضرت اشرف الاولیا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں اس وقت کے جلیل القدر اساتذہ حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، مولانا عبد المصطفیٰ اعظمی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا عبد الرؤف بلیاوی، مولانا سلیمان اشرف بھاگل پوری، مولانا شمس الحق **گجھڑوی** وغیرہ سے اکتساب علم کرکے ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں فراغت حاصل کی،اس حوالے سے حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

”کچھوچھہ مقدسہ کے موجودہ علما ومشائخ میں ایک بڑی تعداد فارغین اشرفیہ کی ہے ،جنھوں نے دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں تعلیم حاصل کی اور جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی وبانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی آغوش تربیت میں آنکھیں کھولیں ۔۔۔۔۔۔۔آپ کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ پورے قافلۂ شوق کے میر کارواں ابو الفتح اشرف الاولیا حضرت سید مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی نور اللہ مرقدہ تھے،اس سلسلے کی آخری کڑی شہزادۂ اشرف الاولیا پیر طریقت حضرت سید جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ ہیں، خدا کرے یہ علمی اکتساب اور روحانی فیض رسانی کا سلسلہ قائم ودائم رہے۔“[اشرف الاولیا:حیات وخدمات، پیش لفظ، ص:۹۲]

[الحمد للہ یہ مبارک سلسلہ جاری ہے ،ابھی گزشتہ سال [۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء میں] حضرت سید جلال الدین اشرف اشرفی دام ظلہ العالی کے صاحب زادے حضرت مولانا سید اوحد الدین معاذ اشرف اشرفی جیلانی مصباحی قبلہ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت حاصل کی ہے۔تبصرہ نگار]

ص:۱۰۳ سے سوانحی گفتگو کا آغاز ہوتا ہے، مولف محترم نے حزم واحتیاط کے دائرے میں رہتے ہوئے سوانحی مواد کو سلیقے سے جمع فرمایا ہے ، باب چہارم وپنجم میں میں حضرت اشرف الاولیا کے پدر

بزگوار حضرت مولانا سید شاہ مصطفیٰ اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات، حضرت اشرف الاولیا کی ولادت باسعادت، سلسلۂ نسب، بسم اللہ خوانی وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

باب ششم میں اعلیٰ تعلیم وتربیت اور علمی خدمات، باب ہفتم میں تبلیغی ودعوتی خدمات، باب ہشتم میں محاسن وکمالات، باب نہم میں دینی وملی خدمات، باب دہم میں سفر آخرت اور اولاد امجاد، باب یازدہم میں تصرفات وکرامات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے، جب کہ کتاب کا آخری باب منظومات کے لیے مختص ہے۔

حضرت اشرف اولا لیاء رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں بیعت وارادت کے ذریعہ خلق خدا کی ہدایت ور ہنمائی کا فریضہ انجام دیا وہیں آپ نے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فروغ علم وادب کے لیے متعدّ تعلیمی د ادارے بھی قائم فرمائے اور در جنوں اداروں کی سرپرستی فرمائی، آپ کا ایک عظیم اور تاریخی کارنامہ پنڈوہ شریف کی روحانی سرزمین پر مخدوم اشرف مشن کا قیام ہے، مالدہ اور اس کے قریبی اضلاع میں غیر مقلدین اور وہابیہ ودیابنہ نے جس طرح مکروفریب کا جال بچھایا اور اس علاقے کے سیدھے سادے مسلمانوں کے ایمان وعقیدے پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی، اس کا مستحکم جواب ایک عظیم الشان تعلیمی ادارے کے قیام سے ہی ممکن تھا، آپ نے مکمل بصیرت کے ساتھ مخدوم اشرف مشن کی بنیاد ڈالی اور اس کے فروغ وارتقا کے لیے اپنا خون جگر پیش کیا، آج سے اس علاقے میں یہ ادارہ اہل سنت کا ترجمان اور مینارۂ نور وہدایت ہے، جو آپ کے لائق وفائق خلف وجاں نشین حضرت مولانا شاہ سید جلال الدین اشرف اشرفی دام ظلہ کی سربراہی وقیادت میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ اشرف الاولیا: حیات وخدمات میں اس حوالے سے تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور آپ کی گراں قدر علمی، دینی اور تبلیغی خدمات کو شایان شان خراج پیش کیا گیا ہے۔

محاسن وکمالات کے باب میں بھی مولف کے قلم کی جولانی پورے جوبن پر نظر آتی ہے، گوکہ مولف صاحب تذکرہ کے مرید با صفا ہیں، لیکن انہوں نے کہیں بھی حقیقت پر عقیدت کو غالب ہو نے نہیں دیا ہے، بلکہ ایک منصف مزاج سوانح نگار کی حیثیت سے قرار واقعی اوصاف وکمالات اور فضائل ومناقب کو پوری دیانت داری کے ساتھ سپرد قرطاس کیا ہے، ورنہ آج سوانح نگاری کے نام پر کس قدر ملمع سازی کی جاتی ہے اور فضائل ومناقب کے باب میں کس طرح زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں یہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس باب میں آپ کا دینی تصلب، تقویٰ وطہارت، تواضع وانکساری، توکل واستغنا، نرم گوئی ونرم خوئی، پاکیزہ اخلاق وعادات، علم پروری وعلما نوازی جیسے ذیلی خاکوں میں پوری مہارت اور دیانت کے ساتھ رنگ بھرا گیا ہے۔ انداز بیان اس قدر صاف وشفاف اور سستہ ہے کہ کہیں اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا، جوں جوں اوراق پلٹتے ہیں دل ودماغ روحانی خوشبوؤں سے معطر ہوئے جاتے ہیں اور جسم ورح میں ایک تازگی محسوس ہو تی ہے۔ یہ باکمال مولف کا انتہائی کمال ہے۔

ہر چندکہ ولایت کے لیے کرامات کا صدور ضروری نہیں، شریعت پر استقامت ہی ولایت کا اصل معیار ہے، لیکن اولیاءاللہ کی ذات سے خارق عادات کا ظہور ہوتا رہا ہے، جسے عام زبان میں کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے، حضرت اشرف الاولیا کی حیات مبارکہ اس حوالے سے بھی روشن نظر آتی ہے، مختلف موقعوں پر آپ سے بے شمار خوارق عادات اور کشف وکرامات کا صدور ہوا ہے، مولف گرامی نے اپنی اس کتاب میں آپ کے نصف درجن سے زائد کرامات اور محیر العقول واقعات کا ذکر کیا ہے۔

اولاد امجاد کے ضمن میں حضرت اشرف الالیا کے شہزادۂ گرامی حضرت مولانا سید جلال الدین اشرف اشرفی دام ظلہ کے مختصر حالات بھی شامل کر لیے گئے ہیں، جو آئندہ آپ کی شخصیت پر خامہ فرسائی کر نے والوں کے مشعل راہ ثابت ہوگا۔

اہل فکر وقلم کی نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کسی شخصیت کی سیرت وسوانح پر ابتدائی کام کس قدر مشکل ہوتا ہے، اوران کی حیات مبارکہ کے بکھرے اوراق کو سمیٹنا کس قدر دماغ سوزی اور ذمے داری کا عمل ہوتا ہے، اسی لیے اکثرلوگ اس پُر خطر راہ سے دور رہنے ہی میں

عافیت محسوس کرتے ہیں، لیکن مولف محترم نے یہ جوکھم اٹھایا ہے اور بحسن وخوبی اس کو نجام تک پہنچایا بھی ہے ،اگر چہ اب بھی آپ کی شخصیت کے بہت سے گوشے پردۂ خفا میں ہوں گے ، لیکن مولف محترم حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی نے اپنی اس تالیف میں بنیادی معلومات جمع فرمادی ہے اور مستقبل کے محققین کے لیے بنیاد فراہم کردی ہے، آئندہ جب بھی حضرت اشرف الاولیا کی شخصیت پر کام ہو گا، اس تالیف کو متن اور ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگی۔

مولف محترم حضرت مفتی کمال الدین اشرفی مصباحی اہل عقیدت وارادت اور وابستگان سلسلہ کے ساتھ جملہ احباب اہل سنت کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں ۔موصوف ایک مستحکم قوت ارادی کے حامل جواں سال عالم وفاضل ہیں، ہر سال ان کی کئی تصانیف منظر عام پر آکر قارئین کی نگاہوں کا مرکز بنتی ہیں ، وہ مسلسل لکھتے ہیں ، اُن کا قلم سے اور قلم کا اُن سے مضبوط اور اٹوٹ رشتہ ہے ، ہم رب تعالی کی بار گاہ میں دعا کرتے ہیں کہ یہ رشتہ یوں ہی بحال رہے اور قارئین ان کی نگارشات کو یوں ہی سرمۂ نگاہ بناتے رہیں۔

کتاب	:	فردوس نسواں
مولف	:	مولانا محمد منتظر قادری مصباحی
صفحات	:	۱۳۸
سن اشاعت	:	۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء
ناشر	:	جامعۃ الزہرا للبنات ناظر پور اتر دیناج پور
قیمت	:	۱۲۰
مبصر	:	محمد ساجد رضا مصباحی رکن آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور

میرے مطالعے کی میز پر اس وقت ایک اہم تالیف ” خواتین کے جدید اور اہم احکام معروف بہ فردوس نسواں “ ہے ،اس کتاب کے مؤلف نوجوان عالم دین مولانا منتظر قادری مصباحی ہیں ، جو اتر دیناج پور کے پران نگر رساکھوا سے تعلق رکھتے ہیں ، اتر دیناج پور کے معروف عالم ومفتی حضرت مولانا مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی بانی جامعۃ الزہرا للبنات ناظر پور، پران نگر اتر دیناج پور کے صاحب زادے ہیں ، انھوں نے گزشتہ سال [۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء] اہل سنت کی عظیم درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت حاصل کی ہے ، لکھنے پڑھنے کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں، تعمیری ذہن وفکر کے حامل ہیں۔

خاک ہند کی عظیم درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی، دینی، مذہبی اور علمی وفکری خدمات کا ایک جہان معترف ہے ، یہاں کی فضاؤں میں اخلاص کی خوشبو بستی ہے، یہاں کی درو دیوار میں خلوص ووفا کا رنگ شامل ہے ، یہاں کی علمی و روحانی بہاروں میں اکتساب علم کرنے والے فرزندوں کے اندر دینی وعلمی خدمات کا جذبہ رچ بس جاتا ہے ، یہی وجہ ہے کہ یہاں زیر تعلیم طلبہ بھی علمی ، قلمی ، دعوتی اور تبلیغی سطح پر بڑے اہم کارنامے انجام دیتے ہیں ، یہ مبارک سلسلہ جامعہ اشرفیہ کے قیام کے زمانے سے جاری ہے ، لیکن ادھر دو دہائیوں کے اندر اس میں نظم ونسق پیدا ہوا ہے اور کام کی رفتار میں بڑی تیزی آئی ہے، ہر سال درجۂ سابعہ اور درجۂ فضیلت کے طلبہ اکابر کی کسی نایاب کتاب کی جدید اشاعت کا کام بہت ہی سلیقے سے کرتے ہیں، طلبہ کی مختلف تنظیمیں مختلف عنوانات پر بڑی اہم کتابیں شائع کرتی ہیں ، اسی سلسلے کی ایک کڑی جشن دستار بندی کے موقع پر کسی خاص موضوع پر رسالے کی ترتیب واشاعت یا کسی بزرگ عالم دین کی کسی اہم تصنیف کا ترجمہ اور تقدیم وتحشیہ کے ساتھ اس کی اشاعت ہے ، ہر سال عرس حافظ ملت کے موقع پر جب طلبہ کی درجنوں کتابوں کا رسم اجرا ہوتا ہے تو اہل سنت کا سر فخر سے بلند ہو جایا کرتا ہے اور عوام اہل سنت جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جایا کرتی ہے۔

” فردوس نسواں “ کی تالیف کا بھی یہی پس منظر ہے ، مولف محترم نے اپنی دستار فضیلت کے پُر مسرت موقع کو یاد گار بنانے اور خواتین ملت کی شرعی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ۱۳۸ر صفحات پر مشتمل ایک نہایت ہی اہم رسالہ مرتب فرمایا، ہے جو طباعت واشاعت کے مراحل سے گزر کر قارئین کی نگاہوں

کا نور بنا ہوا ہے۔

"فردوس نسواں" کے ابتدائی صفحات میں روایت کے مطابق شرف انتساب ، حدیث دل، تقریظ اور تقدیم شامل ہے۔"حدیث دل" میں مولف نے اس موضوع پر کام کی ضرورت واہمیت اوراس کتاب کی تالیف کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے معاونین و مخلصین کا شکریہ ادا کیا ہے۔ خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی عبد الغفور رضوی صدرالمدرسین الجامعۃ الحفیظیہ راساکھوا بازاا تر دیناج پور کی گراں قد تقریظ کتاب کی زینت ہے، مولف کے والد گرامی حضرت مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی نے پانچ صفحات پر مشتمل تقدیم تحریر فرمائی ہے، جس میں انہوں نے شرعی احکام کی واقفیت کی ضرورت خاص طور سے خواتین اسلام کے لیے احکام و مسائل کی آشنائی کی افادیت کو واضح کیا ہے۔ نوجوان عالم و محقق حضرت مولانا مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی استاذ و مفتی الجامعۃ المخدومیہ سراج العلوم جاج مئوکان پور، رکن آئینۂ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور نے کتاب پر نظر ثانی فرمائی ہے اور اس کی نوک و پلک سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اصل کتاب کا آغاز ص:۲۶/ سے ہوتا ہے، مسائل کے بیان میں فقہی ترتیب کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے ،کتاب میں درج ذیل ۹/ ابواب فقہ کے مسائل بیان کیے گئے ہیں:

❶ کتاب الطہارۃ ❷ کتاب الصلاۃ ❸ باب الجنائز ❹ کتاب الزکاۃ ❺ کتاب الصوم ❻ کتاب الحج ❼ کتاب النکاح ❽ کتاب الطلاق ❾ کتاب الحظر والاباحۃ۔

ہر باب میں خواتین سے متعلق جدید و قدیم مسائل کو آسان اور سہل اسلوب میں بیان کیا گیا ہے ، مسائل کا انتخاب بہت دیدہ وری کے ساتھ کیا گیا ہے ،فقہ و فتاوی کی عربی کتابوں کے ساتھ اردو زبان کی مستند فقہی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔قدیم مسائل کے ساتھ خواتین کے جدید احکام و مسائل پر بھی خصوصی توجہ دی گئی ہے، مستند مفتیان عظام کے فتاویٰ کے اقتباسات کو مہارت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ دیانت اور ذمے داری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حوالے بھی درج کر دیے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف ابواب میں بیان کیے گئے چند مسائل کے عنوانات نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب کی نوعیت کا اندازہ ہو سکے۔

۱۔ نوز پن اور ایر رنگ کا حکم ۲۔ وضو اور غسل میں چوٹیوں میں لٹکے ہوئے بالوں کا حکم ۳۔ مانع حیض داؤں کا استعمال ۴۔ نائٹی اور شلوار قمیص پہن کر نماز ۵۔ جمعہ کے دن عورتیں ظہر کی نماز کب پڑھیں ۶۔ شوہر کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا حکم ۷۔ عورتوں کا غیر محرم میت کا دیدار کرنا کیسا ہے۔ ۸۔ بیوی کے زیوارات کی زکات کس پر ہے ۹۔ بلا اجازت شوہر کے مال میں تصرف کا حکم ۱۰۔ خواتین کا اعتکاف ۱۱۔ حائضہ اور نفسا کا رمضان کے ایام میں کھانا پینا ۱۲۔ حمل کی وجہ سے حج میں تاخیر ۱۳۔ حالت احرام میں عورتوں کے لیے جائز امور ۱۴۔ منگنی میں ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنانا۔ ۱۵۔ آپریشن کے ذریعہ وضع حمل ۱۶۔ موبائل سے طلاق کا حکم ۱۷۔ عدت میں علاج کے لیے جانے کا حکم ۱۸۔ ٹکلی اور سیندور لگانے کا حکم ۔ ۱۹۔ سرجری کروانے، ٹیٹو بنوانے اور مساج کرانے کا حکم ۲۰۔ بیوٹی پارلر جانے کا حکم

ہمارے معاشرے کی اکثر خواتین ضروری اور روز مرہ پیش آنے والے مسائل سے بھی واقف نہیں ہوتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ خود گناہوں کا ارتکاب کرتی ہیں اور اپنے بچوں کو بھی منہیات سے روک نہیں پاتیں ، اکثر خواتین تو ناخواندہ ہوتی ہیں ، جنھیں معمولی اردو بھی نہیں آتی، جنھیں تھوڑی بہت اردو آتی ہے وہ فقہی اصطلاحات اور ادق فقہی زبان و بیان کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں، سہل زبان و بیان اور آسان لب و لہجے کی وجہ سے یہ رسالہ ان خواتین کے لیے بھی مفید اور نفع بخش ہے۔

کتاب کا گیٹ اپ عمدہ اور طباعت دیدہ زیب ہے، سیٹنگ کی بعض خامیاں ہیں، امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس پر توجہ دی جائے گی، مجموعی طور پر کتاب مفید نفع بخش اور خواتین ملت کے لیے ایک اہم تحفہ ہے، اسے ہر گھر تک پہنچنی چاہیے۔

☆☆☆

جہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

علم وادب کاایک مشک بار چمن

الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم راساکھوا بازار اتر دیناج پور بنگال

تعارف نگار: **مولانا محمد شارب ضیا رضوی مصباحی**
ناظم تعلیمات، جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم، بنگلور ۴۵

بھارت وبنگلہ دیش کی سرحد پر واقع قصبہ راساکھوا، اتر دیناج پور سے متّصل جانب شمال کھنتہ گاؤں کے بیدار مغزاور روشن خیال لوگوں نے قوم کے نونہالوں کوزیورعلم وفن سے آراستہ کرنے کے لیے ۱۹۶۳ء میں ایک دینی ادارے کے قیام کی تحریک چلائی اور پی۔ڈبلو سے متّصل جانب مغرب عالی جناب فرید محمد صاحب مرحوم اتر کھنتہ کی پچاس ڈسمل زمین کا انتخاب کیا،ڈھائی ہزارروپے زمین کی قیمت متعیّن ہوئی ،صاحب زمین کے پانچ سوروپے بطور تعاون وضع کردینے کے بعدباقی رقم عالی جناب رئیس الدین مرحوم ناظرپوراور عالی جناب کمال الدین صاحب مرحوم پران نگر نے اپنے ذاتی مصرف اور دیگر کوششوں سے اداکیا۔اور ۱۹۶۴ء میں باضابطہ طور پر ممبر قمرالدین مرحوم اور پورے گاؤں کے پرجوش مسلمانوں نے مدرسہ کی داغ بیل ڈالی اور شیخ طریقت، مفکر قوم وملت حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفی تکیہ شریف رحمٰن پور اور غازی ملت ،قطب دوراں حضرت علامہ شاہ سراج الدین غازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے عظیم البرکت نام سے منسوب ،مدرسہ حفیظیہ سراج العلوم نام رکھا۔اورادارے کواعلیٰ مقام تک پہنچانے کے لیے اس وقت کے جید عالم دین، پیر طریقت حضرت علامہ محمد عرفان علی رشیدی صاحب قبلہ اورعالم باعمل ، ممتاز العلما حضرت علامہ شمس الدین صاحب قبلہ علیہما الرحمہ دھوتاکو بحیثیت مدرس منتخب کیا، جن کی سعیِ جمیل نے چند مہینوں میں ادارے کوعلاقہ بھر میں معروف کردیا، حضرت منشی عبدالجبار ماہی نگر شکارپور، مولانا مظفر حسین نوکانی بائسی، مولانا محمد توصیف ہاف ڈانگ مادھے پوراور مولانا امیرالدین خواص پور نے بھی خوب خوب تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۹۸۹ء میں حضرت منشی قمرالھدی صاحب اتر کھنتہ،حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بھینس بندھااور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب چوپڑاباڑی بحیثیت مدرس منتخب ہوئے،ان سب حضرات نے درس وتدریس میں مثالی کردارادا کیااور ادارے کوعروج تک پہنچایا۔۱۹۸۱ء تک ادارہ علاقائی بچوں کی ہی تعلیم وتربیت میں مصروف تھا،ملکی وصوبائی سطح پر طلبہ یہاں سے فیض یاب ہوں اور یہ ایک علاقائی سطح کا مدرسہ نہ رہ جائے،اس کے لیے ایک نباض اور مخیر قوم وملت کی سخت ضرورت محسوس ہوئی جس کے پس منظر میں محب علما،رئیس اعظم راساکھواعالی جناب ڈیلر محمد کبیرالدین صاحب رضوی توصیفی اتر کھنتہ کاانتخاب ۱۹۸۲ء میں بحیثیت سکریٹری عمل میں آیا۔ موصوف تاہنوزاسی منصب پر فائز ہیں۔آپ کے آتے ہی ادارے میں ترقی کی راہیں کھل گئیں اورادارہ روز افزوں ہمہ جہت ترقی کرتا رہا۔آپ ہی کی شاہین صفت نگاہوں نے اولا ادارے کودار العلوم سے جامعہ تک پہنچانے کاایک حسین خواب دیکھاتھا،جس کی عملی تعبیر کے لیے ایک انقلابی شخصیت کی ضرورت تھی۔ادھر جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے امتیازی تاج فضیلت سے مشرف ہوکر علاقے بھر میں دھوم مچانے والی شخصیت یعنی مفکر اسلام، مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی

صاحب قبلہ دام ظلہ علاقائی بچوں کی اعلیٰ تعلیم وتربیت کے لیے ایک انقلابی درس گاہ قائم کرنے کے لیے کوشاں تھے، جس کے پس منظر میں آپ بحیثیت ناظم اعلیٰ اپنی پوری ٹیم [حضرت مولانا بہارالدین صاحب، حضرت مولانا محمد مسعود عالم مصباحی صاحب، مولانا امام اختر صاحب، حضرت مولانا محمد شمیم احمد مصباحی صاحب، حضرت منشی نورالہدیٰ صاحب] کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں ادارے میں قدم رنجہ ہوئے، پھر ہوا یوں کہ ادارہ، مدرسہ حفیظیہ سراج العلوم سے الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم بن گیا اور تعلیمی ترقی درجۂ رابعہ تک ہوگئی، اور ۱۹۹۷ء میں استاذ العلما حضرت علامہ مفتی محمد شعیب عالم قادری نعیمی کا انتخاب بحیثیت صدر مدرس ہوا، جس نے ادارے کے ترقیات میں چار چاند لگادیا۔ اور چند سالوں میں ادارہ علاقہ بھر میں مرکزی حیثیت کا حامل ہوگیا۔

اس وقت خلیفہ حضور مفتیٔ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی عبدالغفور صاحب قبلہ دام ظلہ علینا بحیثیت صدر مدرس اور حضرت حافظ وقاری محمد نسیم اختر صاحب بحیثیت ناظم اعلیٰ، عالی جناب محمد کبیرالدین صاحب سکریٹری کے دست وبازو بن کر کہنہ مشق گیارہ اساتذہ کرام کی ایک مضبوط ٹیم اور چار طباخ کے ساتھ شعبۂ حفظ وقراءت اور درجۂ سادسہ تک کے ساڑھے تین سو طلبہ کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام میں شب وروز مصروف عمل ہیں اور ادارے کے روشن مستقبل کے لیے بے حد کوشاں ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ اس وقت جامعہ میں درج ذیل اساتذۂ تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں:

حضرت مفتی محمد ابوبکر مصباحی، حضرت مولانا توحید عالم نعیمی، حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی، حضرت مولانا مختار احمد مصباحی، حضرت مولانا محمد شہریار نظامی، حضرت حافظ عبد الرشید، حضرت حافظ غفران رضا، حضرت حافظ عبد المبین، جناب ماسٹر عابد حسین۔

جامعہ نے اپنے چھپن سالہ دور میں علم وہنر کے بے شمار لعل وگوہر پیدا کیے، مدرسین، معلمین، مبلغین، خطبا، نقبا اور اصحاب فکر وقلم کی ایک عظیم الشان جماعت تیار کی۔ آج فرزندان جامعہ ملک کے طول وعرض میں پھیل کر دین وسنیت کی ترویج واشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ وترویج کا مقدس فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

فی الوقت خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے چشم وچراغ شیخ طریقت حضرت علامہ توصیف رضا خاں صاحب قبلہ دام ظلہ کی سرپرستی میں جامعہ میں درج ذیل شعبوں پر بڑے زور وشور کے ساتھ کام جاری ہے:

[۱]شعبۂ ناظرہ [۲]شعبۂ حفظ [۳]شعبۂ قراءت [۴] شعبۂ درس نظامی [۵] دارالقضا[۶]دارالافتا[۷]شعبۂ دعوت وتبلیغ[۸]ہلال کمیٹی[۹]نگرانی مساجد[۱۰]شعبۂ نشرواشاعت۔

جامعہ کے ارباب حل وعقد مزید درج ذیل شعبوں کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں:

[۱]لائبریری کاقیام[۲]کمپیوٹرلیب[۳]ڈائنگ ہال کی تعمیر[۴]صدر گیٹ کی تعمیر[۵]درجۂ سابعہ، درجۂ ثامنہ اور شعبۂ تخصص کا قیام۔

ظاہر سی بات ہے کہ ان منصوبوں کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے خطیر رقم کی حاجت ہے اور ادارے کے پاس مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ بھی نہیں، اس لیے جامعہ اہل خیر اور اہل ثروت حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے، اپیل ہے کہ ان عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اہل ثروت، سخاوت وفیاضی کا خوب خوب مظاہرہ کریں اور ڈھیر سارے ثواب کے مستحق بنیں۔

معاونین ومخلصین کی آسانی کے لیے ذیل میں ادارے کا مستقل پتہ اور اکاونٹ درج کیا جاتا ہے:

مستقل پتہ

الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم مقام وپوسٹ راساکھوا بازار، تھانہ کرندیگھی، ضلع اتر دیناج پور ۷۳۳۲۰۱

بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات

A/C No.: 5462010007601
A/C Name: AL JAMATIATUL HAFIZIA SIRAJUL ULOOM
IFSC Code: UTBIORRBBGB

☆☆☆

نوائے قلم

درخشاں مستقبل کی تلاش

زیادہ ہنسنے کی مذمت

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کا یہ مستقل کالم ہے جو طلبہ مدارس اسلامیہ کے لیے خاص ہے، اس کالم کا مقصد طلبہ کے اندر مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنا ہے، رسالے کے ہر شمارے میں طلبہ کے مختصر مضامین شائع کیے جائیں گے۔ **محمد ساجد رضا مصباحی**

محمد عرفان قادری متعلم جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، ضلع اوریا یوپی

عصر حاضر میں بدعملی کا دور دورہ ہے، انسان عبادت و ریاضت سے کوسوں دور اور فکر آخرت سے غافل ہوکر دنیاوی عیش وعشرت میں کھویا ہوا ہے، آج ہمارے شب و روز اعلیٰ حضرت کے اس شعر کے مصداق ہیں:

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اور اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایک نیا مرض اپنی جگہ بناتا ہوا نظر آرہا ہے اور وہ ہے "زیادہ ہنسنا"۔ اور اب تو حال یہ ہے کہ بعض اوقات قہقہہ لگانے کے لیے اور اپنے دل کی وقتی شادمانی کے لیے لوگ دوسروں کی پگڑی اچھالنے سے بھی گریز نہیں کرتے ہیں، جب کہ قرآن وحدیث میں کثرت ضحک یعنی زیادہ ہنسنے کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے، اس لیے کہ زیادہ ہنسنے سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا ہے اور یہ بات بدیہی ہے کہ جب انسان کا دل مردہ ہو جائے تو نہ وہ نیکی کی طرف راغب ہوگا اور نہ ہی بدی سے روگردانی کرے گا، اور جب یہ چیز حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو دھیرے دھیرے خوف الٰہی کا پوری طرح سے فقدان ہو جاتا ہے اور شرم نبی بھی اس کے دل سے معدوم ہو جاتی ہے۔

ذیل میں ہم قرآن اور احادیث کریمہ کی روشنی میں زیادہ ہنسنے کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ۝ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ۝ [النجم/۶۲،۵۹]

ترجمہ: تو کیا اس بات پر تعجب کرتے ہو؟ اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔

تفسیر روح المعانی ج: ۵،ص: ۱۱۱ پر اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ:

"اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ کبھی نہیں ہنستے، صرف تبسم فرمایا کرتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور ﷺ کو ہنستے اور مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَلْیَضْحَكُوْا قَلِیْلًا وَّ لْیَبْكُوْا كَثِیْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ [التوبہ/ ۸۲]

ترجمہ: تو انہیں چاہیے کہ تھوڑا سا ہنس لیں اور بہت زیادہ روئیں یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے۔ [کنزالایمان]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس فرمان الٰہی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"دنیا میں کم ہنسو ورنہ آخرت میں بہت رونا پڑے گا اور یہ تمھارے اعمال کی جزا ہوگی۔"

مزید فرمایا کہ:

"مجھے ہنسنے والوں پر تعجب ہوتا ہے جس کے پیچھے جہنم ہے اور اس سرور شاداں پر تعجب ہوتا ہے جس کے پیچھے موت لگی ہوئی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

"زیادہ ہنسنا دل کو موت سے ہمکنار کر دیتا ہے"

نیز فرمایا کہ:

''جو شخص جوانی میں ہنستا ہے بڑھاپے میں روتا ہے، جو مالداری میں ہنستا ہے فقر میں روتا ہے، اور جو زندگی میں ہنستا ہے موت کے وقت روتا ہے۔''[سنن ابن ماجہ، ص: ۳۰]

دوسرے مقام پر حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ:

''قیامت کے دن سب آنکھیں رونے والی ہوں گی، مگر تین نہیں روئیں گی جو خوف خدا سے روئیں جو اللہ تعالی کی حرام کردہ چیزوں سے بند رہیں اور جو راہ خدا میں بیدار ہوں گی''

''کہا گیا ہے کہ تین چیزیں دل کو سخت کرتی ہیں بغیر کسی بات کے ہنسنا، بھوک کے بغیر کھانا، اور بغیر کسی ضرورت کے باتیں کرنا [کنز العمال ج۱۵ص۸۴۴]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:'' جو ہنستے ہوئے گناہ کرتا ہے وہ روتے ہوئے جہنم میں جائے گا''۔۔[کنز العمال ج۴: ص: ۲۱۹]

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہوگئی کہ ایک بندۂ مومن کا زیادہ ہنسنا خدا اور رسول کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اس کا انجام سخت ہے، ظاہر سی بات ہے کہ اگر ہماری آنکھیں اللہ کے خوف سے اشک بار نہ ہوئیں اور ہم نے اپنی زندگی لہو ولعب میں گزار دی۔ آج ہم دنیاوی آگ کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں چہ جائے کہ جہنم کی آگ برداشت کر سکیں گے، جس کی تپش ہمارے وہم وگمان سے پرے ہے، جس کے بارے میں خود سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ:

'' جہنم کی آگ اگر سوئی کی نوک کے برابر دنیا پر کھول دی جائے تو پوری دنیا جل کر خاکستر ہوجائے۔''

لہٰذا مسلمان اور خاص طور پر مسلم نوجوانوں کو چاہیے کہ زیادہ ہنسنے اور ٹھٹھا کرنے سے پرہیز کریں اور خوف خدا میں رونے کی عادت ڈالیں، یہ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں سرخ روئی کا باعث ہے۔

اللہ تعالی ہمیں اسلامی زندگی اور مزاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

صحابۂ کرام کا جذبہ سرفروشی

محمد معین الدین قادری: متعلم جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

اللہ تعالی نے انبیائے کرام اور رسلان عظام کے بعد صحابۂ کرام کو سارے عالم پر فضیلت دی ہے، اس لیے کہ وہ درس گاہ نبوت کے فیض یافتہ ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے شب وروز کو اپنی نظروں سے دیکھا ہے اور آپ کی تعلیمات پر عمل کیا ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی ان کی صداقت و دیانت اور ایمانی پختگی کی شہادت دی ہے، نیز قرآن کریم نے بھی جگہ جگہ ان کی کامیابی اور ان کے راہ حق پر ہونے کا اعلان کیا ہے اور ان کو اپنی رضامندی کی خوش خبری سنائی ہے، اس لیے کہ جس طرح اللہ رب العزت نے اپنی محبوبیت اور آخری رسالت کے لیے رسول اکرم ﷺ کا انتخاب فرمایا۔ اسی طرح آپ سے کسب فیض کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں نبوت کا فیضان اور اسلامی تعلیمات کی روشنی پہنچانے کے لیے صحابۂ کرام کو منتخب فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جن کا انتخاب قدرت کی جانب سے ہوا ہو ان کے تقدس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ اسی لیے حضور ﷺ نے ان کو ساری امت کے لیے دین کے ہر گوشے میں رہبر و رہنما قرار دیا ہے، اس لیے امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہر معاملے میں صحابۂ کرام کی زندگی کو سامنے رکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کریں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگی سے پوری امت کو سب سے اہم جو درس ملتا ہے وہ ہے محبت رسول ﷺ کا۔ آپ ﷺ سے محبت ایمان کی بنیاد ہے، اس لیے صحابۂ کرام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ الفت و محبت کی ہے، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، صرف عمل اور اتباع ہی نہیں بلکہ اپنی جان، مال، اولاد، ماں، باپ، بیوی، ہر کچھ حضور ﷺ پر لٹانے کے لیے وہ تیار رہتے تھے۔ نمونے کے طور پر چند مثالیں احادیث نبوی کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

أمرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم أن نتصدق ووافق ذالك مالا عندی فقلت الیوم أسبق أبابکر إن سبقته یوما

فجئت بنصف مالی فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما أبقیت لأھلك فقلت مثلہ وأتی أبو بکر بکل ما عندہ فقال لہ یا أبابکر ما أبقیت لأھلك قال أبقیت لھم اللہ ورسولہ فقلت لا أسابقك إلی شئ ابدا۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں غزوۂ تبوک کے موقع پر صدقہ کا حکم دیا، اس وقت میرے پاس مال بھی بہت تھا، میں نے سوچا آج اگر میں ابوبکر سے آگے نکل گیا تو سمجھو کہ میں آگے نکل گیا، پس میں اپنا آدھا مال لے آیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ”اپنے اہل وعیال کے لیے کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا: ” اتنا ہی مال اہل وعیال کے لیے رکھا ہے“۔ پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سامان لائے، جو کچھ ان کے پاس تھا، رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ” ابوبکر! اپنے اہل وعیال کے لیے کیا بچایا ہے؟ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ” اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو“ یعنی ان کی محبت ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ تب میں نے سوچا کہ ابوبکر سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔[جامع الترمذی/۳۶۷۵]

مذکورہ بالا روایت سے اور ذخیرۂ حدیث میں موجود دیگر کئی روایات سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ صحابۂ کرام اپنا مال ومتاع حضور کی ذات پر آپ کی محبت میں قربان کردیتے تھے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین والدین کی فرماں برداری، ان کی عزت اور ان کی تکریم میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن وہ والدین کو محبت رسول پر کبھی ترجیح نہیں دیتے تھے، حتیٰ کہ محبت رسول میں اپنے والدین کی محبت کو قربان کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ اپنے لیے باعث فخر سمجھتے کہ ان کے ہاتھوں سے گستاخ رسول کا قتل ہو، چاہے وہ ان کا سگا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ محبت کا وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں تک پہنچنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں چنانچہ:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کا ارادہ میرے باپ کو قتل کرنے کا ہے؟ اگر آپ کا خیال ایسا ہے تو پھر مجھے حکم دیجیے، میں اپنے باپ کا سر قلم کرکے آپ کے قدموں میں لادوں گا اور مجھے خدشہ ہے کہ آپ کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیں۔[جس سے میری حمیت جاگ جائے گی]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ” عبداللہ اپنے باپ کو قتل نہیں کرنا“۔ لیکن عقیدت ومحبت کے اس پیکر کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا اور آپ قافلے کا راستہ کاٹتے ہوئے مدینہ کے باہر اس راستے پر جاکھڑے ہوئے جہاں سے ہر ایک کا گزر ہونا تھا، لوگ گزرنے لگے جب ان کے باپ ابی آئے تو انہوں نے تلوار کو میان سے نکال لیا اور کہنے لگے: واللہ لا تدخل المدینۃ حتی یأذن لك رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہوسکتے جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہ دیں اور تم اس بات کا اقرار کرلو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت والے ہیں اور تو ذلت والا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ” اے عبداللہ! اپنے باپ کو معاف کردو اور اسے جانے دو۔

صحابۂ کرام کی محبت اور تعظیم بے مثال ہے، صحابۂ کرام کے دلوں میں حضور ﷺ کی ایسی محبت اور ایسی تعظیم تھی کہ صحابۂ کرام کی محبت اور تعظیم کا حال دیکھ کر صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود نے جو ابھی ایمان نہ لائے تھے جو تاثر پیش کیا تھا وہ قابل ذکر ہے وہ کہتے ہیں:

اے لوگو! خدا کی قسم میں بادشاہوں کے درباروں میں بھی گیا ہوں، قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی ڈیوڑھیوں پر بھی حاضری دے چکا ہوں، مگر خدا کی قسم کسی بادشاہ کی اتنی تعظیم ہوتے نہیں دیکھی جتنی تعظیم محمد ﷺ کی ان کے اصحاب کرتے ہیں۔ جب کبھی ان کے دہن سے لعاب نکلا تو وہ کسی نہ کسی شیدائی کے ہاتھ میں پڑا جسے اس نے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا اور جب وہ اپنے اصحاب کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں اور جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو وہ لوگ خاموش اور پرسکون رہتے ہیں۔

یہ تھا صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا سلیقۂ محبت اور انداز تعظیم جس کا اجمالی خاکہ اور مختصر تذکرہ مندرجہ بالا سطور میں ہم نے پیش کیا۔

اخیر میں اللہ رب العزت سے دعاگو ہوں کہ اللہ تعالی ہمیں صحابۂ کرام کی طرح رسول اللہ ﷺ سے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرنے اور آپ کی اتباع وپیروی کرنے کی توفیق بخشے.. آمین

☆☆☆

پیغامات

شمس العلما مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی: کچھ یادیں

مکرمی!

شمس العلماحضرت مفتی غلام مجتبیٰ اشرفی علیہ الرحمہ جامع اشرف کے سب سے پہلے شیخ الحدیث تھے ،اس لیے جامع اشرف میں بعض اساتذہ کی زبان سے کئی باران کا نام سناتھا،مگر زیارت سے محروم تھا،یہاں تک کہ ۲۰۰۱ء میں جامع اشرف میں آپ بریلی شریف منظر اسلام سے سالانہ امتحان کے لیے بطور ممتحن بلائے گئے۔ میں اس وقت جماعت سابعہ کا متعلم تھا،ہماری جماعت کی ہدایہ اولین کا امتحان آپ کے پاس رکھا گیاتھا۔ وقت آنے پر اپنے ساتھی مولانا الفت حسین اشرفی کے ساتھ امتحان دینے کے لیے جامع اشرف کے مولانا احمد اشرف ہال میں داخل ہوا تو آپ کی زیارت ہوئی۔

بڑے بڑے بال، کپڑے کی کڑھائی شدہ لمبی اونچی ٹوپی، لمبی گھنی داڑھی، سانولا چہرہ، موہنی صورت، لمباقد، سفید کرتا پاجامہ، موتی کی مانند چمکدار دانت، دیکھتا ہی رہ گیا۔

سلام کیااور اشارہ پاکر ایک جانب بیٹھ گیااور چند ثانیہ کے لیے آپ کے جاذب نظر قدو قامت اور شکل وصورت کی دیدار میں محو ہوگیا۔ ایک سات آٹھ سال کا چھوٹا بچہ جو شاید آپ کے کسی رشتہ دار کا بیٹا تھا،آپ کے ہمراہ آیاتھااور اس وقت آپ کے ساتھ درس گاہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ اس بچہ کے ساتھ بڑی محبت سے باتیں کر رہے تھے ، بولنے میں وہی بچوں والا انداز اور لب ولہجہ اختیار کیے ہوئے تھے اور چہک چہک کر اس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے ،بچہ بھی بڑا تیز طرار اور چنچل تھا اور غالباً نانا، نانا، کہ کر بڑی بے تکلفی کے ساتھ آپ کی ہربات کا چہک چہک کر جواب دے رہا تھا۔ہم دونوں ساتھی تھوڑی دیر بیٹھے رہے اوران نانا اور نواسہ کے کلام سے محظوظ ہوتے رہے۔اس سے ہمیں ایک فائدہ یہ ہوا کہ حضرت کی علمی جلالت وعظمت کے تذکرے سے اور کئی دن پہلے سے سنیئر طلبہ اور بعض اساتذہ کی زبان سے حضرت کا ذکر سن سن کر حضرت کی جو ایک ہیبت دل میں پیدا ہوگئی تھی وہ ہیبت جاتی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ہم لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے اور ہم دونوں کے نام دریافت فرمائے ، پھر میرا نام چونکہ لسٹ میں پہلے تھا،اس لیے مجھے ہی پہلے پڑھنے کا حکم دیا۔ کتاب الرضاع کھول کر ابتدائی چند سطور کی عبارت پڑھی اور ترجمہ کیا، پھر حضرت کے حکم سے اپنے الفاظ میں اس کا مطلب بتایا۔چوں کہ حضرت کی بے تکلفانہ گفتگو سن کر ڈر اور خوف جو عام طور پر کسی بھی طالب علم کو ممتحن کے نام پر ہو جایا کرتا ہے دل سے نکل چکا تھا،اس لیے بہت کھل کر پڑھا اور بغیر کسی ہچکچاہٹ کے عبارت کی تشریح کی ۔جس پر آپ نے شاباشی دی۔ پھر کتاب الرضاع سے ایک دو مسئلے زبانی دریافت فرمائے جن کے جواب میں نے دے دیے۔ آپ بہت خوش ہوئے پھر فرمایا۔ٹھیک ہے، یہاں سے تو تم نے اپنے اختیار سے پڑھ کر سنایا،اب میرے اختیار سے پڑھو،آپ نے دس بارہ صفحات آگے سے ایک عبارت نکالی اور صفحہ اور سطر بتا کر عبارت، ترجمہ اور تشریح کا حکم دیا۔ میں نے وہاں سے بھی پڑھا،اب آپ مزید خوش ہوئے ، پھر پیچھے کے صفحات کی جانب پلٹے اور وہاں سے پڑھنے کا حکم دیا،میں نے وہاں سے بھی پڑھااس طرح آپ نے تین چار جگہوں سے پڑھوایااور میری پڑھائی سے بہت خوش ہوئے ۔فرمایاہاں! اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اچھی تیاری کی ہے ۔آپ نے مجھے خوش کر دیا۔ اب آپ کے ساتھی کی باری ہے، پھر محب گرامی حضرت مولانا الفت حسین صاحب سے دو جگہوں سے پڑھوایا، انہوں نے بھی بہت اچھا پڑھااور ہم لوگوں کا امتحان مکمل ہوگیا۔ سلام کیا، دست بوسی کی اور امتحان ہال سے نکل آئے۔ یہ تھی حضرت سے پہلی ملاقات، پہلی زیارت اور پہلی بار ہم کلامی کا شرف۔

یہاں ضمناً اس امتحان کے رزلٹ کا ذکر کرنا چاہوں گا کیوں کہ اس کے سبب حضرت شمس العلما کے ساتھ حقیر کی نسبت مزید گہری اور یادگار ہوگئی تھی۔

تقریباً دن کے تین بجے تھے کھانا کھا کر قیلولہ کر رہا تھا کہ اچانک اتر دیناج پور کا ایک طالب علم جو مجھ سے چار پانچ سال جونیئر تھا، مگر ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں تھا، میرے کمرہ میں داخل ہو کر مجھے مبارکباد

پیش کرنے لگا۔ میں نے کہا کس چیز کی مبارکبادی پیش کررہے ہو؟ اس نے بتایاکہ آپ ہدایہ اولین کے امتحان میں سونمبر سے نوازے گئے ہیں۔ میں نے کہا تمہیں کیسے معلوم؟ اس نے بتایا کہ میں چند دیگر طلبہ کے ساتھ ممتحنین کو کھانا کھلانے پر مامور تھا، حضرت مفتی غلام مجتبیٰ صاحب دسترخوان پر تشریف لائے تو طلبہ کے بارے میں اپنا تاثر پیش کرنے لگے، طلبہ کی تعلیمی کیفیت پر مجموعی طور پر خوشی کا اظہار کر رہے تھے، پھر آپ کا نام لے کر آپ کی تعریف کی، اساتذہ سے فرمایا ہدایہ اولین کے امتحان میں نوشاد نامی طالب علم نے خوش کر دیا، بڑی اچھی تیاری کی تھی ماشاءاللہ۔ متعدّد جگہوں سے پڑھوایا بہت اچھا پڑھا، عبارت خوانی، ترجمہ، تشریح سب درست کیے، دو تین مسئلے زبانی پوچھے وہ بھی بتادیے، میری طبیعت خوش ہوگئی اور میں نے خوش ہوکر اسے پورے ۱۰۰ر نمبر دیے۔ اساتذہ نے تائید کی، فرمایا: حضرت وہ محنتی طالب علم ہے، شروع سے ہی اپنی جماعت میں پہلی پوزیشن پر ہے اور آپ ہی کے ضلع کا ہے۔ کچھ دنوں بعد جب رزلٹ نکلا تو دیکھا واقعی حضور شمس العلما نے مجھے ہدایہ اولین میں ۱۰۰ر نمبر سے نوازا ہے۔

دوسرے سال جب دورہ حدیث میں زیر تعلیم تھا، اپنے ایک استاذ کے کسی کام سے بریلی شریف گیا تو اس موقع پر دو دن حضور شمس العلما کے پاس ان کی مسجد میں قیام رہا۔ خاص حضرت کے پاس قیام کی وجہ یہ تھی کہ میں بریلی شریف میں نووارد تھا، وہاں مجھے کسی شناسا کی ضرورت تھی، اور وہ شناسا نکلے مفتی غلام مدنی صاحب جو جامع اشرف میں مجھ سے ایک سال سنیئر تھے اور ان دنوں جامع اشرف سے نکل کر بریلی شریف میں حضرت شمس العلما کی خدمت میں افتا کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔ یہاں دیکھا کہ حضرت شمس العلما کے پاس مولانا غلام مدنی کے ساتھ وہ چھوٹا طالب علم بھی ہے جس کا اوپر تذکرہ کیا۔ میں دو دن مولانا غلام مدنی کے ساتھ حضرت کی مسجد میں مقیم رہا اور انہیں حضرات کے پاس کھایا پیا۔ اس دوران ایک دن منظر اسلام میں آپ کی درس گاہ کے باہر کھڑے ہوکر دو چار منٹ تک آپ کا درس بخاری بھی سماعت کیا۔ اس ملاقات میں حضرت کے پاس سے مجھے حضرت کا تحریر کردہ ایک رسالہ بھی حاصل ہوا جس کا نام ہے "آزر تحقیق کے آئینہ میں"۔ یہ رسالہ میرے پاس محفوظ ہے۔

اس کے علاوہ اسی سال جامعہ صوفیہ کچھوچھہ شریف کے کیمپس میں ایصال ثواب کی ایک محفل میں آپ کی شرکت ہوئی اور مختصر ناصحانہ خطاب ہوا۔ جس میں آپ کی زیارت اور خطاب سے محظوظ ہوا۔

آپ ۲۰۰۲ء میں بھی جامع اشرف میں سالانہ امتحان کے لیے بحیثیت ممتحن مدعو تھے۔ امتحان کے دن قریب تھے، غالبًا ایک ہفتہ باقی رہا ہوگا۔ ہم طلبہ امتحان کی تیاری میں مشغول تھے کہ اچانک ادارہ میں خبر آئی کہ حضرت مفتی غلام مجتبیٰ صاحب شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف کا دہلی کے ایک ہسپتال میں دوران علاج وصال ہوگیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون.

وہ چھوٹا طالب علم جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کا نام راغب تھا، معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے وصال کے دو تین سال بعد قضاے الٰہی سے وہ بھی اللہ کو پیارا ہوگیا۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔ مولیٰ کریم اس کے والدین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب قبلہ جامعہ نعیمیہ مرادآباد، منظر اسلام بریلی شریف، جامع اشرف کچھوچھہ شریف اور بھیونڈی اور جہاں جہاں بھی رہے ہم نے اپنے بڑوں سے سنا کہ پوری خودداری اور شان وشوکت کے ساتھ رہے اور اپنے علمی طنطنہ اور پورے طمطراق کے ساتھ مسند تدریس وافتا پر فائز رہے، فقہ وحدیث کے ساتھ معقولات میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ کے علمی جاہ وجلال کے سامنے اچھے اچھوں کا پتہ پانی ہوجاتا تھا۔ مولیٰ کریم آپ کے اخروی درجات کو بلند فرمائے اور آپ کی قبر پر رحمت و نور کی بارش برسائے۔ آمین۔

نوشاد عالم اشرفی جامعی کشن گنجوی

استاذ جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ

مضامین میں سہل پسندی سے کام لیں

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سہ ماہی "پیغام مصطفیٰ" کے پچھلے دو شماروں کا مطالعہ کیا، پڑھ کر دلی مسرت ہوئی۔ علاقے کی مذہبی صحافت کی خشت اول اور اتنی شاہ کار! مدیر محترم اور ادارتی ٹیم کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے "مینارۂ صحافت" کردے!

ہدیۂ تبریک کے طور پر ٹوٹے پھوٹے کلمات پیش کرنے کا

من پہلے ہی دن بنالیا تھا، لیکن ذہنی الجھنوں نے یوں تاخیر کی کہ پھر وہ دراز سے دراز تر ہوگئی اور اب۔۔۔۔۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

ارباب قلم سے ادنا سی گزارش ہے کہ اپنے قیمتی اور انمول مضامین میں سہل پسندی سے کام لیں اور مشکل، نامانوس اور ثقیل لفظوں کو برتنے سے گریز کریں! شمارے میں استعمال کیے گئے ”منشود“، ”عباقر“، ”ممد“، ”قمر بے کلف“، ”ضرب[مار]“، ”مین رول“، ”گن گان“، ”خصب“ وغیرہ جیسے الفاظ کے دوسرے آسان مترادفات کا استعمال فقیر اور اس جیسے کم علموں کے لیے زیادہ مناسب ہوگا۔ امید ہے اہل قلم توجہ رکھیں گے کہ:

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

دقیق علمی بحثیں ویسے ہی نازک ہوتی ہیں؛ ایسے میں بھاری بھرکم الفاظ قاری کی دلچسپی کے تسلسل کو توڑ دیتے ہیں۔ روزنامہ قومی آواز کی ایک خبر کے مطابق دہلی ہائی کورٹ نے ایف آئی آر میں اردو کے ۳۸۳/ الفاظ پر پابندی عائد کر دی ہے، جن میں سے کچھ الفاظ یہ ہیں: تحریر، مسمی، راضی نامہ، مجرم، اندراج، فرمان، مجروح، حفاظت، غفلت، کار آمد، ظاہر، گفتگو، روبرو، مقدمہ وغیرہ۔ اس فیصلے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اردو والے اتنے گاڑھے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ خود ہندی دانوں کو یہ کوئی اجنبی زبان لگتی ہے۔

سارے مضامین عمدہ ہیں۔ حضرت علامہ مجاہد حسین رضوی صاحب ”قومی ترانے کی شرعی حیثیت“ جیسا تحقیقی مضمون لکھنے پر جماعت اہل سنت کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ مفتی عارف حسین مصباحی صاحب کا قسط وار مقالہ اس علمی گلستان کا گل سرسبد ہے۔

انصار احمد مصباحی

آئینۂ مدارس کا کالم بہت اہم ہے

محترم مدیر اعلیٰ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور

سلام مسنون

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور کا خوب صورت شمارہ [دسمبر ۲۰۱۹ء تا فروری ۲۰۲۰ء] موصول ہوا، حسب سابق یہ شمارہ بھی صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہے، اداریے میں مزارات اولیا پر ہونے والے خرافات پر آپ نے جس بے باکی کے ساتھ اظہار خیال فرمایا ہے وہ یقینا قابل ستائش ہے، ہمارے علاقے میں یہ وبا عام ہوتی جا رہی ہے، فرضی مزارات کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے، جس پر لگام کسنے کے لیے مضبوط لائحۂ عمل کی ضرورت ہے۔

یوں تو رسالے کے تمام کالمز اہم ہیں، لیکن ”شخص و عکس“ اور ”آئینۂ مدارس“ کے کالم کے ذریعہ خاص طور سے اس پس ماندہ علاقے کے مایہ ناز علما اور قدیم و جدید علمی اداروں کا تعارف قارئین تک پہنچ رہا ہے، اسی کے ساتھ ان اداروں کی تاریخ بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو رہی ہے۔ اس کے لیے سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کی پوری ٹیم قابل مبارک باد ہے۔

مولانا مبارک حسین مصباحی، مفتی عبد الخبیر اشرفی مصباحی، مفتی عارف حسین مصباحی، مولانا نور القمر مصباحی، مولانا طفیل احمد مصباحی کے مضامین بھی پسند آئے۔

”وفیات“ کے کالم میں مولانا داؤد حسین رضوی اتر املیہ کی رحلت اور مولانا الحاج غلام محی الدین رضوی شاہ پور نیز استاذ العلما مولانا مشتاق احمد استاذ دار العلوم غریب نواز کے وصال کی خبر کے ساتھ ان کے اجمالی احوال و کوائف معلوم ہوئے، اس سلسلے کو آئندہ بھی جاری رکھیں، اس لیے کہ شخصیتیں جب گزرتی ہیں تو چند سالوں میں ان کی یادیں بھی دفن ہونے لگتی ہیں، ہماری غفلت و تساہلی کے سبب ہمارے اس دیار کی نہ جانے کتنی ہی عظیم شخصیتوں کے کارنامے پردۂ خفا میں چلے گئے اور آج ہماری نسل نو ان کی گراں قدر خدمات سے لاعلم ہے۔

یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی کہ آئینہ ہند اکیڈمی اتر دیناج پور کے زیر اہتمام ”تذکرہ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور“ کی ترتیب کا کام چل رہا ہے اور اس کی پہلی جلد عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے، آپ کی ٹیم کے ذریعہ یہ ایک تاریخ ساز کام ہو رہا ہے، مسرت ہے کہ اب منصوبہ بندی کے ساتھ منصوبوں پر عمل در آمد بھی ہو رہا ہے۔ جماعتی سطح پر یہ اطمینان کی بات ہے۔

ہمیں امید ہے کہ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور اسی طرح چرخ صحافت پر چمکتا دمکتا رہے گا۔

محمد صفدر رضا رضوی

مالن گاؤں، اتر دیناج پور، بنگال

سفرِ آخرت

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

غریب الوطنی میں اتر دیناج پور کے چشم و چراغ مولانا بدر الحق رضوی مصباحی کا وصال پُر ملال

مفتی محمد رفیق الاسلام رضوی مصباحی، خادم الافتا دار العلوم رضائے مصطفیٰ مٹیا برج کولکاتا

۲؍ جولائی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات بوقت مغرب یہ اندوہناک خبر محب مکرم حضرت مفتی محمد غلام سرور مصباحی ڈمٹھی مقیم حال بنگلور نے سنائی کہ مولانا بدر الحق مصباحی اب اس دنیا میں نہ رہے، اللہ کو پیارے ہو گئے۔ خبر سننے کے بعد میں کن کیفیات سے دوچار ہوا انہیں میں زبان نہیں دے سکتا، وجہ یہ تھی کہ تقریبا دن بارہ بجے مفتی صاحب سے مولانا کے حوالے سے بات ہوئی، معلوم ہوا کہ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں، اور وقت مغرب وصال کی خبر۔ ۱۰؍ ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ مطابق ۲؍ جولائی ۲۰۲۰ء بروز جمعرات شام ساڑھے پانچ بجے کے قریب مولانا کا وصال پر ملال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا بدر الحق رضوی مصباحی نعر اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت آدھار کارڈ کے اعتبار سے ۱۹۷۱ء میں اسلام پور سب ڈویژن کے مشہور و معروف علاقہ آگ ڈمٹھی میں ہوئی، جو اتر دیناج پور مغربی بنگال سے متعلق ہے، لمبا چوڑا، ہرا بھرا اور خوشحال گھرانہ ہے آپ کا، والدین دنیا سے رخت سفر باندھ چکے ہیں، دو بھائی سے تھے، آپ چھوٹے تھے، بڑے بھائی حیات سے ہیں۔ والدین کی خواہش پر آپ طلب علم دین میں مشغول ہوئے، علاقہ کے مکاتب اور چند مدارس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لیے ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لے گئے، ملک کی اس عظیم دانش گاہ میں وقت کے جلیل القدر علمائے کرام سے خوب خوب فیض حاصل کیا، غالبا نوے کی دہائی میں آپ نے جامعہ اشرفیہ سے علمی استفادہ کیا، بعد فراغت ملک کے مختلف صوبوں اور شہروں جیسے حیدر آباد، لاتور مہاراشٹر وغیرہ میں آپ نے درس و تدریس اور امامت و خطابت کا فریضہ انجام دیا، پھر آپ نے دعوت و تبلیغ اور رشد و ہدایت کے لیے کرناٹک کی راجدھانی آئی ٹی سٹی بنگلور کا انتخاب کیا، بنگلور گئے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے، مسجد البدر جکور لے آؤٹ بنگلور میں آپ نے مسلسل سولہ سال دین و سنیت کی صاف ستھری خدمت انجام دی، فی الحال مسجد اشرفیہ ہیگڑے نگر بنگلور میں امامت و خطابت کی خدمت بحسن و خوبی انجام دے رہے تھے کہ پیام اجل آ گیا۔

مولانا مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ایک اچھے عالم دین، مصلح امت، نہایت خلیق و مخلص، بلند کردار، ملنسار، ہنس مکھ، متواضع و منکسر المزاج، اکابر شناس اور اصاغر نواز تھے، آپ کے حسن اخلاق کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ علمائے بنگلور سے آپ کے دوستانہ مراسم و روابط تھے، آپ سے جو بھی ملا آپ کی شیریں گفتار اور خوش مزاجی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، معتدل قد و قامت جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے، بڑے مہمان نواز بھی تھے، فقیر راقم محمد رفیق الاسلام رضوی مصباحی کا جب درس و تدریس کی غرض سے جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم بنگلور جانا ہوا، مولانا کو خبر ہوئی کہ ہمارے علاقہ کے ایک جوان عالم آئے ہوئے ہیں، مفتی غلام سرور مصباحی کے ذریعہ اپنے گھر کی دعوت بھجوائی اور جب حضرت کے گھر پہنچے تو انتہائی والہانہ انداز میں مجھ جیسے طفل مکتب کا خیر مقدم کیا، خوب ضیافت کی، تاکید کر کر کے کھلایا پلایا، کافی دیر تک گفت و شنید کا سلسلہ رہا، چونکہ میں پہلی بار بنگلور پہنچا تھا، اس لیے میری خوب حوصلہ افزائی فرمائی، ہمت بندھائی، محنت سے کام کرنے کی تلقین کی، پھر میل ملاقات کا سلسلہ وقتا فوقتا جاری رہا، میرے بنگلور چھوڑنے کے بعد بھی بات چیت کا سلسلہ باقی رہا، وصال سے تقریبا ایک مہینہ قبل بھی فون پر بات ہوئی۔

آگ ڈمٹھی گاؤں میں ماشاء اللہ درجنوں علما پائے جاتے ہیں، لیکن اگر ممتاز علما کی بات کریں تو مولانا بدر الحق مرحوم کا نام یقینا اس فہرست میں نمایاں مقام پائے گا۔

مولانا کے دو بیٹے ہیں، ایک انجینئر فائنل کر رہے ہیں اور دوسرا بارہویں میں ہیں، دونوں ماشاء اللہ دینیات سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے ان بچوں کے مستقبل کو روشن و تابناک بنائے، اور مولانا کی اہلیہ کو صبر و سکون عطا فرمائے۔

مولانا مرحوم کو حضور تاج الشریعہ علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ حضور تاج الشریعہ سے بڑی عقیدت و محبت تھی، یوں بھی بزرگوں سے لگاؤ اور ان سے عقیدت و محبت مولانا کی فطرت کا حصہ تھا جو بڑی فیروز بختی کی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر رحمت و نور کی موسلا دھار باش برسائے، مغفرت فرما کر غریق رحمت کرے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

نعت پاک

منظومات

بنے دو جہاں تمھارے لیے

امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

زمین وزماں تمھارے لیے مکین و مکاں تمھارے لیے
چنین و چناں تمھارے لیے بنے دو جہاں تمھارے لیے

دہن میں زباں تمھارے لیے بدن میں ہے جاں تمھارے لیے
ہم آئے یہاں تمھارے لیے اٹھیں بھی وہاں تمھارے لیے

کلیم و نجی، مسیح و صفی، خلیل و رضِی، رسول و نبی
عتیق و وصی، غنی و علی؛ ثنا کی زباں تمھارے لیے

اَصالتِ کُل، اِمامتِ کُل، سِیادتِ کُل، اِمارتِ کُل
حکومتِ کُل، وِلایتِ کُل؛ خدا کے یہاں تمھارے لیے

تمھاری چمک، تمھاری دمک، تمھاری جھلک تمھاری مہک
زمین و فلک، سِماک و سمک میں سکّہ نشاں تمھارے لیے

یہ شمس و قمر، یہ شام وسحر، یہ برگ و شجر ، یہ باغ و ثمر
یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم رواں تمھارے لیے

جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن پھبن میں دُلھن
سزائے محن پہ ایسے مِنَن یہ امن و اماں تمھارے لیے

اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا
گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمھارے لیے

صباہ وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہوں بھلے
لِوا کے تلے ثنا میں کھلے رَضا کی زباں تمھارے لیے

The Paigham-e-Mustafa Quarterly
Under Management: **Tanzim Ashiqane Musstafa,** Shahpur Bazar
P.S. Goalpokher, Uttar Dinajpur, West Bengal - 733210
E-mail:paighamemustafa2018@gmail.com

علمائے اہل سنت اتر دیناج پور کے زیر اہتمام مکمل آب وتاب کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔ جو تصحیح ونظر ثانی کے آخری مرحلے میں ہے۔ اس اہم مجموعۂ مقالات میں اپنے دینی مذہبی تعلیمی اداروں، اکیڈمیوں، تحریکوں اور تنظیموں کے تعارفی اشتہار کے لیے رابطہ کریں۔

ای میل: imamahmadrazaseminar2018@gmail.com
رابطہ نمبر: 9473927746 / 9734927165 / 8953078321

من جانب: علمائے اہل سنت اتر دیناج پور بنگال